ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

مارچ 2022ء - شعبان المعظم 1443ھ

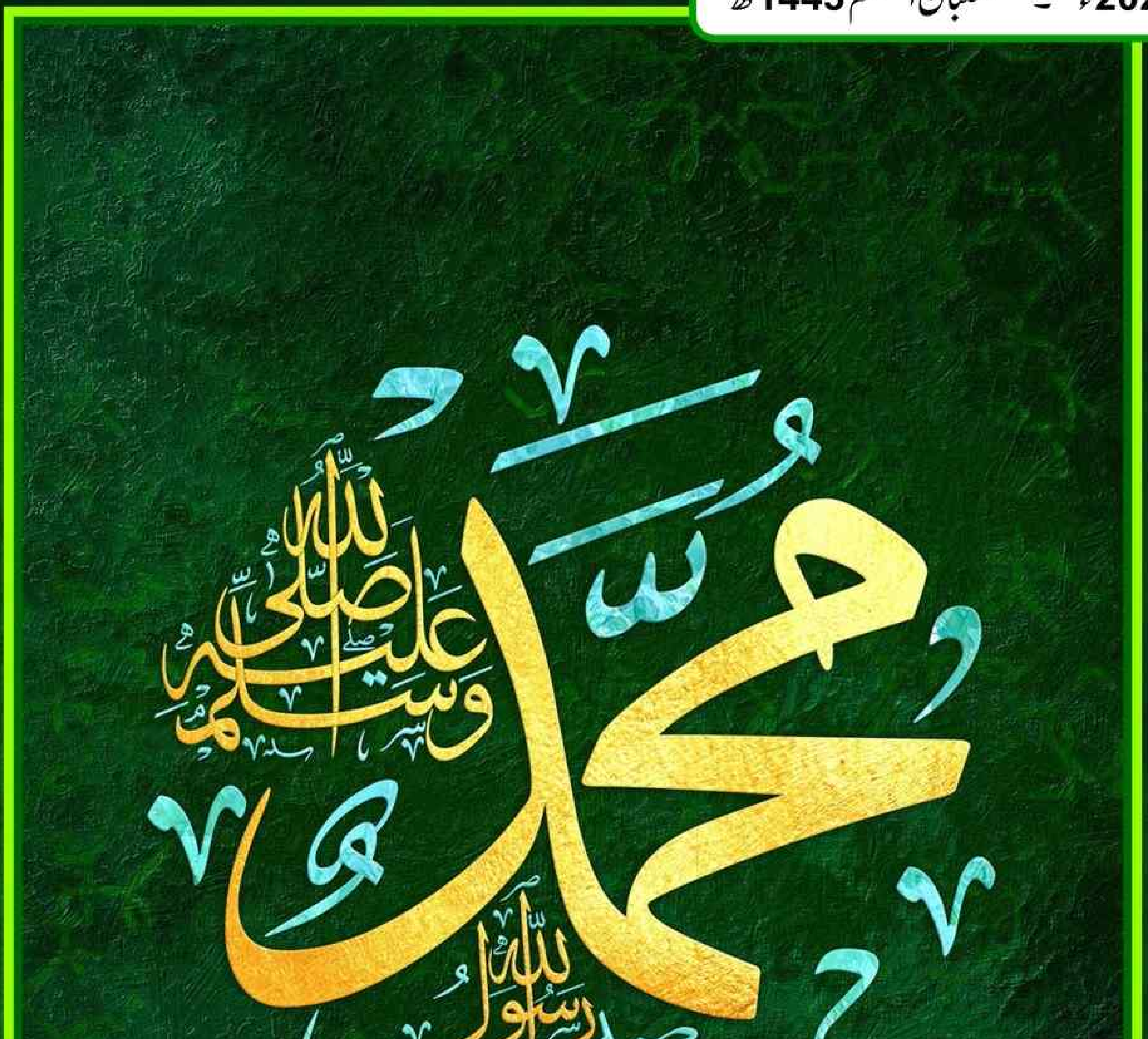

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 03 | مارچ 2022ء | جلد 30

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	7
4	درس حدیث	مفتی محمد صدیق ہزاروی	14
5	حضرت خواجہ خواجگی املنگی قدس سرہ	محمد یوسف مجددی	15
6	حکمت قرآن	سید ریاض حسین شاہ	16
7	ہدیۂ حروف	سید ریاض حسین شاہ	18
8	فہم ترمذی	حسنات احمد مرتضیٰ	19
9	مسالک الحنفاء	علامہ آصف محمود	22
10	شب برأت جہنم کی آگ سے نجات	ذیشان کلیم معصومی	28
11	علامہ اقبال کی عقیدت	محمد یوسف حضوری	30
12	ہدیۂ حروف	سید ریاض حسین شاہ	31
13	سید علی احمد شاہ قصوری	ماسٹر احسان الٰہی	32
14	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	37
15	طلب ہدایت	آصف بلال آصف	38
16	علامہ نثار الحق علوی	انعام الحق علوی	40

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

=/450 روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

ازل سے اَب تلک ایقان ہے ختمِ نبوت پر
خوشی ہے کہ مرا ایمان ہے ختمِ نبوت پر

نبی ﷺ کی ذات پر قربان ہیں سارے جہاں والے
سنو لوگو! فدا ہر جان ہے ختمِ نبوت پر

ترے محبوب ﷺ کی عظمت عیاں ہے ہر طرف مولا
سَدا شاہد ترا قرآن ہے ختمِ نبوت پر

اجالوں کے ہزاروں سلسلے ہیں اس عقیدے میں
دو عالم ہر گھڑی حیران ہے ختمِ نبوت پر

اَزل سے روشنی آ باد ہے اس کی اداؤں میں
اَزل سے نور کی باران ہے ختمِ نبوت پر

جہاں میں ہر بشر کی سوچ میں جلوہ ہے بطحا کا
جہاں میں ہر بشر قربان ہے ختمِ نبوت کا

تجھے پھر کس لیے ہے خوف دنیا کے اندھیروں سے
اے انجم جب تیرا ایقان ہے ختمِ نبوت پر

ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

یہ زمین دو ارب سال پہلے اللہ کے حکم سے سورج کے وجود سے الگ ہوئی تھی۔ اسے بنانے والے نے اسباب زندگی اسی خاکدان میں جمع کر دیے پھر مادر گیتی میں انسانیت کے خمیر سے ایک ایسا کارواں اٹھایا جس کے لیے آزمائش کی وادی میں قدم رکھنا ضروری ٹھہرا۔ خلافت الٰہیہ مرحلہ در مرحلہ تکمیل اور کمال کے زینے طے کرتی رہی۔ نیکی اور بدی کی فطرت اخلاق و کردار کے قالب تلاش کرتی رہی۔ انبیاء اور صالحین نے ہمیشہ چہرۂ انسانیت کو داغ دار ہونے سے محفوظ کیا لیکن منفی کوشش کے پرچم بردار انسانی عصمتوں کی چادر کو پھاڑتے رہے۔ گناہ الجھنوں کی صورت اختیار کر کے تاریخِ آدمیت کو بے وقار بناتے رہے۔ مذہب کے ساتھ لوگوں نے مذاق کیا لیکن صحیح بات یہ ہے مذہب کے سائے سے دور رہنے والا شخص خود غرضی کے مرض میں مبتلا ہو کر ہمدردی، مروت اور احسان سے محروم ہوا، خوفناک بات یہ ہے کہ ایسے انسان میں سگّیت پیدا ہوئی۔ شراب کی بدمستیوں اور نسوانیت کی ہمکناری نے اقدار عالیہ سے اُسے بعید کر دیا۔ دہشت گردی کے دشمن آج بہت کچھ کہتے ہیں لیکن اُنہیں معلوم ہونا چاہیے ان کی اپنی کتابوں میں خودکشی کے جواز میں ان کے فلاسفہ نے جو کچھ کہا ہے کیا وہ دہشت گردی کی حمایت نہیں۔ ایک صاحب لکھتے ہیں:

''انسان اور درندے میں فرق صرف یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو ختم کر سکتا ہے
اور درندہ خود کو ختم نہیں کر سکتا''۔

ایک دوسرے مقام پر یہی صاحب لکھتے ہیں۔

''تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ خودکشی کے اسباب کیا ہوتے ہیں کیا میں تم سے یہ سوال پوچھ سکتا ہوں تمہارے زندہ رہنے کا جواز کیا ہے''؟

اگر عدل کے صراطِ مستقیم پر قائم رہتے ہوئے عمیق تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ مذہب سے دور انسان اندرونی طور پر نفسیاتی بیماریوں کے ہاتھوں اضطرابات اور پریشانیوں سے ادھڑا ہوا ہوتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایسے نفسیاتی لوگوں کے ہاتھوں ایٹم بم ایسے ہتھیار آ گئے ہیں۔ اللہ رحم کرے پتہ نہیں دنیا کا انجام ان قوتوں کے ہاتھوں کیا ہوگا قسم خالقِ ارض کی مذہب انسان کو مروت اور احسان کا راستہ بتاتا ہے، خالص اور کٹر مذہبی شخص مظلوموں کی حمایت کر کے قلبی مسرت محسوس کرتا ہے، صحیح فلسفہ یہ ہے کہ زندگی کی معنویت اور خوشی صرف مذہب اور دین عطا کرتا ہے۔ تجزیہ نگاروں کے لیے عصر جدید میں اب اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں رہا کہ جنگیں ساری خودغرضیوں کی ہیں، ''بقائے اشر'' کی ہیں اور سفلی مفادات کے مرکز مضبوط کرنے کے لیے دہشت گردیوں کا ذمہ دار مذہبی لوگوں کو قرار دیا جا رہا ہے۔ ایک مغربی مفکر نے کہا تھا کہ محبت مجازی کے ساتھ اخلاق کو مربوط کرنا دشوار ہوتا ہے اصل طاقت ضمیر کی ہے۔ یہ ''فکر بچہ'' صحت مند ہے یہ کہ ضمیر اعلیٰ اخلاق کی تخلیق کا ذریعہ بن سکتے ہیں، اگر ایسے ہے تو پھر یقین پیدا کیا جائے کہ مذہب عقل، عشق اور ضمیر تینوں کو زندگی سے نوازتا ہے اس لیے انسانیت کی بہتری اسی میں ہے کہ احیائے مذہب کی طرف بڑھے ایک سچا مذہب کس قسم کا کردار پیدا کرتا ہے، کائنات اور تکوین کے بارے میں کون سا نظریہ دیتا ہے اور انسانی زندگی میں کن رویوں کے پیدا کرنے کی تحریص دلاتا ہے، یہ سب کچھ جاننے کے لیے وہ خطبہ ملاحظہ جو حضرت جعفر نے نجاشی کے سامنے ارشاد فرمایا تھا۔ ایک ایک لفظ سے راسخ مذہب کے اصولوں کی عکاسی ہوتی نظر آتی ہے:

''ملک معظم! ہماری باتوں کو سمجھا جائے ہم لوگ جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مردار ہماری خوراک تھی، فحاشی کا ارتکاب ہم کرتے تھے۔ رشتہ داروں کے حقوق ہم پائمال کرنے والے تھے۔ ہمسائیوں کے ساتھ ہم برا سلوک کرتے تھے ہم میں سے طاقت ور لوگوں نے کمزوروں کا جینا مشکل کیا ہوا تھا۔ ہمارے شب و روز یوں ہی ظلمتوں میں بسر ہوئے تھے۔ اچانک یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک رجل عظیم کو رسالت کے لیے منتخب فرما لیا۔ آپ ہم میں جانے پہچانے تھے اور آپ کی امانت اور حسب و نسب سے ہر شخص خوب آگاہ تھا۔ رسول معظم نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ ہمیں صرف اُسی کی عبادت کرنی ہے۔ بتوں اور اصنام کی پوجا ہم نے ہرگز نہیں کرنی۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ہمیشہ سچ بولیں۔ امانت کی

حفاظت کریں، رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں۔ پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کریں۔اپنی ماؤں اور بہنوں پر بری نظر نہ ڈالیں اور قتل اور خون ریزی سے مکمل گریز کریں۔

رسول معظم نے ہمیں برے کاموں، جھوٹ بولنے اور یتیموں کا مال کھانے سے بھی ہمیں منع کیا کہ ہم پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں۔ہم لوگوں کو یہ باتیں اچھی لگی ہیں اس لیے ہم نے ان کی تصدیق کی ہے۔تعلیمات کے اس حسن کو دیکھ کر ہی ہم نے مذہب اسلام کو اختیار کرلیا ہے۔ہم شرک نہیں کرتے۔ ہم اللہ ہی کو معبود جانتے ہیں۔ہم تمام احکامات میں رسول معظم کی اطاعت کرتے ہیں۔ہم حرام کو حرام جانتے ہیں اور حلال کو حلال سمجھتے ہیں''۔

مذہبی صداقت کی یہ حسین تصویر ملاحظہ کرنے کے بعد نجاشی نے مشرکین کے غصہ کی پرواہ نہ کی اور یہ تاریخی کلمات کہے:

''مجھے تمہاری غصہ بھری خرخراہٹ کی کوئی پراوہ نہیں تم بے شک خرخر کرتے رہو حقیقت یہی ہے کہ اسلام حق ہے اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں''۔

عصر رواں میں بھی بہت سے لوگوں کو مذاہب اور اہل مذہب خصوصاً اسلام اور اہل اسلام پر غصہ ہے اور ان کے نتھنوں میں تیز سانسوں کی خرخراہٹ محسوس ہورہی ہے لیکن دینی کارکنوں کو ان کے خرخرانے کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے اور غلبۂ اسلام کے لیے ان کی کوششوں کو اسلاف کی تاریخ سے مربوط رہنا چاہیے۔دنیا میں یزیدیت کی تاریخ واپس لانے کے شوقین یہ سوچنا بھول نہ جائیں کہ لوگوں کے لیے ظلم کے سائے میں جینا بہت دشوار ہوتا ہے۔

کہتے ہیں ایک مخصوص فکر کا ایک قدیم ترجمان اپنے شاگردوں کے ساتھ کوہستانی علاقہ میں سفر کررہا تھا اُس نے راستے میں ایک عورت کو ایک قبر سے لپٹ کر روتے ہوئے دیکھا۔عورت سے اُس نے پوچھا تمہارے رونے کا سبب کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ اسی جگہ اس کے بیٹے کو ایک شیر نے مار دیا تھا اور سسکیاں لیتے ہوئے وہ کہنے لگی اس کا باپ اور خاوند بھی اس سے پہلے اسی شیر کی خونخواری کا شکار ہوئے ،مفکرِ مذہب نے حیران ہوکر کہا:

''تم نے ایسی خطرناک جگہ کو چھوڑ کیوں نہ دیا؟ عورت کہنے لگی اس لیے کہ یہاں کسی ظالم کی حکومت نہیں اس سے مشرقی ممالک میں ایک ضرب المثل زبان زدِ عام ہوگئی'' قانون کی باغی جابر حکومت جنگلی درندوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک قول کا بھی مفہوم یہی ہے:

’’ریاست کفر کے ساتھ چل سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی‘‘۔

مسلمانوں کے فکری اور عملی نظام کو درست کرنے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کا حکم اللہ نے دیا ہے:

(1) جماعت

(2) سمع

(3) اطاعت

(4) ہجرت

(5) اور اللہ کی راہ میں جہاد۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا:

’’یقین کرو جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اُس نے اسلام کا حبالۂ اطاعت گلے سے اتار پھینکا اور جس شخص نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی آوارگی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا اگر چہ وہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو؟ فرمایا: ہاں اگر چہ وہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے زعم میں خود کو مسلمان سمجھتا ہو‘‘۔

(مسند امام احمد)

ابھی تو چند لوگ ہیں جو استقامت سے دین پر ڈٹے ہوئے ہیں لیکن لگتا یہ ہے کہ ہر مسلمان کے منہ سے چیخیں نکلنے والی ہیں، کیفیت تو یہی ہے:

ایک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کررہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 74 اور 83 کی تفسیر پیش کررہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾
وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ
عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ
سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰي
مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَــمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا
خَلَاقَ لَھُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُھُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ
مِنْھُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَھُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ
الْكِتٰبِ وَمَا ھُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
وَمَا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ
وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ۧ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ
كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي
ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ
مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

"وہ اپنی رحمت کو جس کے ساتھ چاہتا ہے خاص کر دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی تو وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس امانت چھوڑے ایک انبار تو وہ ادا کر دے اُسے تمہاری طرف اور انہی میں سے وہ بھی ہے کہ اُس کے پاس تو اگر ایک دینار بھی امانت رکھے تو وہ اُسے واپس تیری طرف نہ لوٹائے مگر جب تک کہ تو اُس پر کھڑا ہی رہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُمّی لوگوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی گرفت نہیں اور اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ علم رکھتے ہیں، ہاں جس نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور تقویٰ اختیار کیا تو بے شک اللہ تقویٰ داروں سے محبت رکھتا ہے، بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں حقیر وقلیل پُونجیوں کا کاروبار کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کچھ حصّہ نہیں اور نہ ہی اللہ اُن سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی قیامت کے دن وہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا، بے شک اُن میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے جو کتاب میں اپنی زبانوں کو ایسے بَل دیتے ہیں تاکہ تم اسے کتاب خیال کرو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا ہے اور جھوٹ کہتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہوتے ہیں، کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اُسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگ جائے تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ اُس کا کہنا یہی ہوگا کہ ربّ والے ہو جاؤ اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم جو دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے رہتے ہو اور تمہیں وہ یہ حکم بھی نہیں دے گا کہ فرشتوں اور انبیاء کو ربّ ہی بنا لو تم پر کوئی کفر کو کیسے پیش کر سکتا ہے جبکہ تم خود پکے مسلمان بن چکے ہو اور یاد کرو جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کسی کے ذریعہ کتاب و حکمت سے کچھ عنایت کروں پھر تشریف لائے تمہارے پاس عظیم رسول تصدیق کرنے والے جو تمہارے پاس ہے اُس کی تو تم ضرور ضرور ایمان لانا ان پر اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس اقرار پر تم نے میرا بھاری ذمہ قبول کر لیا، بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تم سب گواہ ہو جاؤ میں تمہارے ساتھ ہی گواہوں میں سے ہوں، پھر اس کے بعد جس نے اعراض برت لیا تو ایسے سب لوگ نافرمان ہوں گے، کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کچھ اور تلاش کرتے ہیں حالانکہ اس کے سامنے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے خوشی سے اور مغلوب ہو کر گردن بچھائے ہوئے ہے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے"۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

"وہ اپنی رحمت کو جس کے ساتھ چاہتا ہے خاص کر دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

قرآن مجید کی یہ آیت واشگاف اعلان کرتی ہے کہ اللہ جس کے ساتھ چاہتا ہے اپنی رحمت کو خاص کر دیتا ہے۔ یہاں نزول وحی کو رحمت قرار دے کر اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کے اختصاص نبوت کے عنوان کو ابھار رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور آپ کا اُسوہ رحمت ہے۔

انسانیت جب بھی سلجھے گی حضرت محمد ﷺ ہی کی رہبری میں سلجھے گی۔ عربی زبان میں ''رحمت'' عواطف کی ایسی نرمی اور رقّت کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسرے کے لیے احسان اور شفقت کا ارادہ جوش میں آجائے۔ پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل اور احسان سب کا مفہوم داخل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق کائنات میں جو کچھ خوبی اور کمال میں سے ہے وہ رحمت الٰہی ہی کا ظہور ہے۔

ابوکلام آزاد نے کتنا خوبصورت لکھا (269):

''ستاروں کا نظام اور ان کی سیر و گردش، سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضائے آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں، بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندی اور وادیوں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع، نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن کی رعنائیاں، پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا چہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محبوب ہر سو خدائی رحمتوں اور حسن افروزیوں کی جنت سجی ہوئی محسوس ہو رہی ہے''۔

یہ رحمت ہی کے تقاضے تھے کہ بخشش ہو رہی ہے، فیضان برس رہا ہے اور جود و احسان کے چشمے ابل رہے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ انسان کی ہدایت کا عنوان تشنہ رہتا اور کوئی انگلی پکڑنے والا نہ ہوتا۔ کوئی منزل تک پہنچانے والا نہ ہوتا۔ اللہ کی رحمت اور احسان کسی پیکر میں نہ اترتا۔ وجود کا ہر گوشہ رحمتوں کی روشنیوں سے جگمگا رہا ہے اور ہر رحمت ''رحمۃ للعالمین'' آقا کے شمس فیض کی کرن محسوس ہو رہی ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دوسری دلیل دی جا رہی ہے کہ وہ فضل عظیم کا مالک ہے۔

آیت میں فضل اور رحمت کو ملا کر بیان کرنا یہود و نصاریٰ کی کج اندیشیوں کی ظلمت ختم کر کے قافلۂ انسانیت کو چشمِ ہدایت پر پہنچانا ہے تاکہ وہ کسی نہ کسی طرح حریم رحمت اور بارگاہِ علم و فضل تک رسائی حاصل کر لیں اور ان کا مقدر سنور جائے۔

واللہ اعلم

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور اہل کتاب میں سے کوئی تو وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس امانت چھوڑے ایک انبار تو وہ ادا کر دے اُسے تمہاری طرف اور انہی میں سے وہ بھی ہے کہ اُس کے پاس تو اگر ایک دینار بھی امانت رکھے تو وہ اُسے واپس تیری طرف نہ لوٹائے مگر جب تک کہ تو اُس پر کھڑا ہی رہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُمّی لوگوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی گرفت نہیں اور اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ علم رکھتے ہیں"۔

قرآن مجید کی آیات ایک ماہر طبیب کے ان نسخوں کی طرح ترتیب دی گئی ہیں جو بیماریوں اور امراض کو روبصحت کرنے کے لیے دی جاتی ہیں۔ قرآن مجید خواہ مخواہ عیب چینی نہیں کرتا وہ نفسیاتی حالت کا مشاہدہ ضرور کرتا ہے۔ اس آیت میں بھی قاریٔ قرآن اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے کہ اہل کتاب کو نفسیاتی چوٹوں سے بچایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں، سب ایک ہی طرح کی مخلوق نہیں۔ بعض ان میں ایسے بھی ہیں کہ تم لوگ ان پر اعتماد کرتے ہوئے مال و دولت کے ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال واپس کر دیں اور ان میں ایسے خسیس لوگوں کی بھی کمی نہیں کہ جن کے بارے میں ایک پھوٹی کوڑی کا بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، ہاں یہ کہ تم لوگ ان کے سر پر سوار ہو جاؤ۔

سید قطب نے آیت کی تعبیر میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے (270) کہ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب اہل کتاب جماعت مسلمہ کے مقابلے میں اترے ہوئے تھے اور بحث و تکرار میں پڑے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے رویوں کا تجزیہ کس قدر انصاف اور عدل کے اسلوب میں کیا ہے اور اہل کتاب کے بارے میں قرآن حکیم نے اس وقت جو بیان کیا اس وقت بھی ان کی حالت وہی ہے۔ قرآن مجید کا زور اہل کتاب کے ان لوگوں کی مخاصمت اور ڈھٹائی سے پردہ ہٹانا ہے جو خیانت، لالچ اور ملمع کاری میں تمام حدیں پائمال کر چکے تھے۔ ایک ایک دینار پر جانیں چھڑک دینا لیکن ایمان، یقین، تعمیر اور فضیلت کے راستہ کی پروانہ کرنا (271)۔

''قنطار'' کا معنیٰ

''قنطار'' کا اساسی معنیٰ محکم چیز ہوتا ہے (272) بعد ازاں یہ لفظ مال میں کثرت کے لیے استعمال ہونے لگ گیا۔ عربی پل کو ''قنطرہ'' اس کی مضبوطی کی وجہ سے کہتے ہیں۔ دانا، مضبوط فکر اور اصحاب وژن کو ''قنطر'' کہہ دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ نظر و فکر میں مستحکم لوگ ہوتے ہیں۔ بعض اہل علم نے ستر ہزار سونے کے دینار کو ''قنطار'' سے تعبیر کیا ہے۔ بعض لوگوں نے سونے اور چاندی کی بھری ہوئی تھیلی کو بھی ''قنطرہ'' کہا ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ سونے کی وہ مقدار جو گائے کی کھال کو بھر دے وہ ''قنطار'' ہوتی ہے۔ بعض ترجمہ نگاروں نے ڈھیروں ڈھیر مال سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ واللہ اعلم

آیت میں ''سَبِيْلٌ'' کا معنیٰ

''سَبِيْلٌ'' کا لغوی معنیٰ تو راستہ اور راہ ہی ہوتا ہے لیکن راغب اصفہانی نے المفردات میں ''سَبِيْلٌ'' کا معنیٰ حجت اور دلیل بھی لکھا ہے (273)۔ پیر کرم شاہ بھیروی نے لکھا (274) کہ یہودی آپس میں جب لین دین، عہد و پیمان اور خرید و فروخت کرتے تو احکام پر کم و بیش عمل کر لیتے لیکن مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ عجیب ہوتا۔ خرید و فروخت میں وہ دھوکہ کرتے، وعدوں سے پھر جاتے، امانتوں میں خیانت کرتے اور اگر کوئی انہیں ٹوکتا تو کہتے ہمیں ہماری کتاب نے عربوں کے ان پڑھ لوگوں کا مال ہڑپ کر جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ ہم پر ان کے معاملہ میں

کوئی مواخذہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور تہمت لگاتے ہیں۔ ان کی یہ سب کارستانیاں علم رکھنے کے باوجود ہوتیں''۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

''ہاں جس نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور تقویٰ اختیار کیا تو بے شک اللہ تقویٰ داروں سے محبت رکھتا ہے''۔

قرآن مجید کی گزشتہ آیت اور زیر تلاوت آیت میں اسلام کی اہم اور فضیلت مآب اخلاقی تعلیمات کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں امانت کی ادائیگیوں، مقروض کی حاجت برآری، قرض کی حوصلہ شکنی، معاشی گرفت وگیر، جھوٹ کا وبال اور تہمت ایسے موضوعات پر قاریٔ قرآن کی رہنمائی کی گئی اور اب اس آیت میں وعدو عہد کے ایفا اور تقویٰ کے محاسن کا عنوان چھیڑ دیا گیا۔

زجاج نے لکھا کہ یہودی اعرابیوں سے قرض لیتے لیکن اگر کوئی ان میں سے مسلمان ہوجاتا تو وہ حسب وعدہ ادائگیوں میں ٹال مٹول کرتے اور مال واپس ادا نہ کرتے اور کہتے تمہارے معاملہ میں ہم پر کچھ واجب نہیں (275)۔

امام ابوحنیفہ نے انہی آیات سے مسئلہ مستفاد کیا کہ مقروض کے ساتھ ساتھ رہنا چاہئے۔ آپ فرماتے تھے 'مادمت علیه قائمًا' سے یہ معنیٰ مستفاد ہوتا ہے (276)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معروف قول ہے کہ اندھے آدمی سے کبھی کسی حاجت کا سوال نہ کریں اس لیے کہ حیا آنکھ میں ہوتی ہے اور وہ بینائی سے محروم ہوتا ہے۔ اگر تم اپنے بھائی سے کوئی چیز طلب کرو تو چہرہ اور آنکھ اُس کی طرف پھیرو یہاں تک کہ وہ حیا محسوس کرے یوں وہ تمہارا کام کر دے گا (277)۔

رسول رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اُس سے حیا چھین لیتا ہے اور جب اُس سے حیا وہ لے لیتا ہے تو اُسے نفرت اور ناپسندیدگی کے بغیر کچھ نہیں ملتا اور اسی مرحلے پر اُس سے امانت چھین لی جاتی ہے اور جب اُس سے امانت لے لی جاتی ہے تو وہ خیانت کا ارتکاب کرتا ہے اور خیانت جب اسے گھیر لیتی ہے تو رحمت اس سے چھین لی جاتی ہے اور رحمت وجود سے جب نکال دی جاتی ہے تو بندہ لعنت اور دھتکار میں گھر جاتا ہے اور یوں اسلام کا قلادہ اس سے اتار لیا جاتا ہے'' (278)۔

اور ایفائے عہد کے بارے میں رحمت عالم ﷺ کا معروف ارشاد ہے (279):

''اُس کا دین نہیں جس کا عہد نہیں''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں حقیر و قلیل پونجیوں کا کاروبار کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور نہ ہی اللہ اُن سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی قیامت کے دن وہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا''۔

شانِ نزول

اشعث بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازعہ ہوا اور اُس نے میرا حق ادا کرنے سے انکار کر دیا، میں اُسے رحمت عالم کے حضور لے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا! کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کی! رسول اللہ! گواہ تو نہیں ہیں۔ آپ نے یہودی کو حلف اُٹھانے کا کہا۔ میں نے عرض کی: ''حضور یہ حلف دے دے گا اور میرا مال لے جائے گا'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (280)۔

ایک دوسری روایت

کعب بن اشرف، ابورافع اور حی بن اخطب یہود نے جب دیکھا کہ ان کی اجتماعی حیثیت خطرے میں ہے تو انہوں نے تورات میں تحریف کی ٹھان لی۔ رسول کریم کی نشانیاں جہاں جہاں تھیں انہیں مٹا دیا اور قسمیں بھی کرنے لگے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (281)۔

''ثمن قلیل'' گھٹیا کمائی

آیت یہ کہتی ہے جو لوگ اللہ سے کیا ہوا عہد و پیمان دنیوی مفاد کی خاطر توڑتے اور تحریف وتذلیل کے عوض تھوڑی سی پونجی کماتے اُسے قرآن حکیم 'ثمن قلیل'' سے تعبیر کرتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ساتھ مار دیا تو یقینی امر ہے کہ اس کے لیے اللہ نے جہنم کو واجب کر دیا اور اس پر جنت کو حرام کر دیا''۔ ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ! اگر وہ چیز تھوڑی سی ہو پھر بھی؟ آپ نے فرمایا: ''اگرچہ وہ درخت کی ایک شاخ ہی ہو'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (282)۔

''ثمن قلیل'' سے مراد یہ ہے کہ انہیں عظیم گناہوں کے بدلے جو بھی مادی قیمت حاصل ہوگی وہ کم، بے وقعت، حقیر اور ذلیل ہوگی۔

آیت میں سزاؤں کی تفصیل

آخرت میں اللہ تعالیٰ جب اپنے چاہنے والوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازے گا یہ لوگ اپنی گھٹیا تجارت کے عوض کچھ نہ پائیں گے۔ دوسری سزا آیت نے یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے کلام فرمائے گا وہ اس اجر عظیم کی حلاوت سے پُرکیف انعامات کی لذتوں سے فیض یاب ہوں گے لیکن منحرف یہودیوں سے اللہ کلام نہ فرمائے گا۔ تیسری سزا یہ ہوگی کہ یہ لوگ اللہ کی نگاہ لطف وکرم سے محروم ہوں گے اور چوتھی سزا یہ ہوگی کہ اللہ انہیں گناہوں کی آلودگیوں سے صاف نہیں فرمائے گا اور پانچویں سزا یہ ہوگی کہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

''بے شک اُن میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے جو کتاب میں اپنی زبانوں کو ایسے جُل دیتے ہیں تاکہ تم اسے کتاب خیال کرو حالانکہ وہ کتاب سے

نہیں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا ہے اور جھوٹ کہتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہوتے ہیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ایک ایسی قوم کے ساتھ علمی لوگوں کے مخرب دین رویے اور جاہلانہ تحریفات کا بیان ہے جو حساس ذہن، معصوم فکر، پاکیزہ دل اور بلند روح رکھتے تھے۔ چشمۂ نبوت سے خلوص کے ساتھ وہ فیض پا رہے تھے۔ آیت کے مطابق اخلاق ذمیمہ کے حاملین یہود کے کچھ سر برافروختہ لوگ تھے ان کا دعویٰ تھا کہ وہ علم نما مخلوق ہیں۔ ان کی تعلیوں کے چند نقوش قرآن نے خود بیان کیے ہیں، مثلاً وہ کہتے تھے ہم عرب کے بدّوؤں کے ساتھ جیسا مرضی سلوک کریں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ معاشی اور معاشرتی معاملات میں وہ حسد، بغض، تعصب اور بخل سے بھرے ہوئے لوگ تھے۔ وہ عربوں میں رہتے ضرور تھے لیکن وہ عربوں کی فطری خصلتوں سے بھی محروم تھے۔ ان کے اُمّی بدمعاشیاں کرتے تھے اور ان کے پڑھے لکھے انحراف کا شکار تھے۔

قرآن مجید کی یہ آیت ان کے علمی لوگوں کے سیاہ کرتوتوں سے پردہ ہٹاتی ہے اور ان کا پہلا قومی جرم جو قاریٔ قرآن کے سامنے لاتی ہے وہ ان کے تفریقی اور فرقہ وارانہ احوال ہیں کہ وہ لوگ اپنی سوچ کے اعتبار سے جماعت نہیں فریق تھے۔ وہ جمع کرنے کا حسن نہیں جانتے تھے۔ وہ بانٹنے، تقسیم کرنے اور پارہ پارہ کرنے کے ہنر سے آگاہ لوگ تھے۔ ان کی آغوش فکر سے پیدا ہونے والی ذریّت آج تک تقسیم کرو اور حکومت کرو کے فلسفہ پر چلتی ہے۔ آیت کے آغاز ہی میں یہودیوں اور مسلمانوں میں فرق پتہ چل جاتا ہے کہ مسلمان جمع کرنے کا مسلک رکھتے ہیں اور یہود پارہ پارہ کرنے کا منشور سنبھالے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کا دوسرا فکری زاویہ اس کتاب سے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ''اراغت نفسی'' کا شکار تھے۔ وہ اپنی زبانوں کو بل دیتے، گھماتے، پھیرتے تا کہ ان کی ایکٹنگ سے معصوم سننے والا ذہن یہ یقین کر لے کہ یہ بڑے کتابی لوگ ہیں۔ ان کے دم قدم سے علم افزائیوں کی محفلیں رونقیں پکڑتی ہیں، ان کا لکھا ہوا بڑا مستند ہوتا ہے اور وہ اپنی زبانوں کی چرب زبانی سے موتی اگلتے ہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے کچھ نہیں، ان کی لسانی حرکت سے دھوکہ کوئی نہ کھائے، یہ وسوسوں کے غبارے چھوڑنے والی قوم ہے۔ یہ دجل وفریب سے ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھو ہماری تورات میں کچھ نہیں۔ حرفوں کو چھیڑنا اور پندار بنا لینا، زبانوں کو مروڑنا اور معنٰی بدل لینا، ہونٹوں کو چمکارنا اور اپنائیت کے جال میں پھنسا لینا اور آنکھیں مارنا تو مذاق اڑا لینا۔ قرآن مجید کی یہ آیت قاریٔ قرآن کو تنبیہ کرتی ہے۔ یہودیوں کو کبھی امام نہ بنائیں، وہ حلف بھی اٹھائیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے سمجھ لو کہ وہ دھوکہ دہی کر رہے ہیں۔ ان کی فطرت میں جھوٹ اور کذب ہے وہ اس سے باز نہیں رہ سکتے۔

''یَلْوٗنَ'' کی تشریح کرتے ہوئے ابن عاشور لکھتے ہیں (283) ''لیی، لوی، یلوو'' سے ہے۔ اس کا اساسی معنٰی رسی کو بٹنا اور دوہرا کر دینا ہوتا ہے۔ اراغت کا مفہوم بھی ''لوی، یلو ویالوی'' میں سمویا جا سکتا ہے یعنی جسم کو بل دینا جس سے جسم زبردستی کسی جانب گھوم جائے، گھوڑے کی لگام اس طرح کھینچنا کہ وہ منزل کی بجائے کسی اور جانب پھر جائے۔ جھوٹ بولنے سے یہ لفظ کنایہ ہے، زبان کو توڑ مروڑ کر باتیں کرنا اور افترا پردازی کرنا اس مادہ کے مفہومات ائمہ لغت نے لکھے ہیں (284)۔

زبانوں میں لیٔ اور اراغت کا معنیٰ حقیقی بھی ہو سکتا ہے یعنی یہودی لوگ اپنی زبان سے کتاب کے الفاظ میں تحریف کرتے، کسی ایک حرف کو ادا کرتے ہوئے دوسرے حرف کے طریق ادا کی طرف پھیر دیتے جیسے ''رَاعِنَا'' کو ''راعینا'' پڑھ دیتے۔ اس سے وہ گستاخیوں کے دروازے کھولتے یا سلام بھیجتے ہوئے ''السام علیک'' کہہ دیتے۔

ابن عاشور نے لکھا یہاں مجازی معنیٰ بھی مراد لیا جا سکتا ہے یعنی وہ الفاظ کے معانی متعین کرنے میں قیاس فاسدہ، موضوع کاذبہ اور تاویلات باطلہ کو کتاب کا حصہ بنا دیتے جیسے ابن صوریا میں زانی کی سزا رجم کا حکم مخفی کرنے میں دھوکہ اور دجل سے کام لیا (285)۔

آیت میں ''الْكِتٰبِ'' میں بھی تکریر ہے، اسم جلالت میں تکریر ہے۔ مرزوقی نے کہا یہ تکریر تفخیم کے معنوں میں ہے۔ یہ چھوٹی بات تو نہیں کہ اپنے لکھے ہوئے کو اللہ کا لکھا ہوا کہنا اور اپنے ذہن کے تراشیدہ احکام کو ''مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' کہہ دینا (286)۔

یہ آیت اس حقیقت کو بھی کھول دیتی ہے کہ علمی زندگی میں سب سے بڑی آفت جھوٹ اور کذب لسانی ہوتی ہے۔ ان یہودیوں کی بدقسمتی کہ یہ علم کے باوجود اپنی زبان کو جھوٹ کے کالے نمک سے رگڑتے رہتے۔ کتابوں میں جعلسازیاں ان کا قومی شعار بن چکا تھا جسے اب بھی یہ سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

''کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اُسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگ جائے تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ اُس کا کہنا یہی ہوگا کہ ربّ والے ہو جاؤ اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم جو دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے رہتے ہو''۔

اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مذموم منصوبہ بندی کا تیسرا رخ قاریٔ قرآن کے سامنے لایا جا رہا ہے۔ وہ سمجھتے تھے جو کام مال اور زر کے لگانے، منصب نوازی اور بہتان طرازی اور رعب اور دھمکیوں سے نہ ہو سکے اس کے لیے ایک اور راستہ ہوتا ہے کہ ڈٹے ہوئے شخص کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی جائے، اُس کی خوشامد اس کی حد سے زیادہ کی جائے، اُس کی بے جا تعریف کی جائے، اُسے آکاش کا سب سے بلند ستارا کہا جائے۔ یہودی اور عیسائی یہی بات تو سمجھ نہیں رہے تھے۔ ''نبوت'' خدا داد منصب ہوتا ہے اسے حیلہ گریوں اور فسوں سازیوں سے شکست نہیں دی جا سکتی لیکن ایسے احمق دنیا میں کثیر گزرے ہیں جو تصویروں کے عکس کو بھی حقیقت تصور کر بیٹھتے ہیں اور سورج کی کوئی کرن ہاتھ لگ جائے تو اُسے آفتاب تصور کر لیتے ہیں۔

ایک شخص رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ہم آپ پر سلام بھیجتے ہیں لیکن اسے آپ کے احترام کے موافق کافی نہیں پاتے، اجازت ہو تو آپ کا امتیاز فائق رکھنے کے لیے آپ کے سامنے سجدہ کر لیا کریں۔ حضور ﷺ نے

ارشاد فرمایا: ''سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے درست نہیں اپنے نبی کا مقام پہچانو، اُن کے حقوق ادا کرو جو اُن کی پیروی ہے، اطاعت اور ٹوٹ کر ان سے محبت کرنا ہے'' (287)۔

شانِ نزول میں یہ روایت بھی موجود ہے۔ ابو رافع ایک یہودی تھا۔ ایک مرتبہ وہ نجران کے عیسائی وفد کے ہمراہ حریم رسالت میں حاضر ہوا اور صاف صاف کہنے لگا کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو مقام الوہیّت پر فائز سمجھیں (288)۔

رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: ''معاذ اللہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اجازت دوں کہ کوئی شخص ربِّ احد کے سوا کسی اور کو معبود بنالے، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا''۔

حسنِ نبوت بشریت کا قالب نورانی

کون بے وقوف اور احمق اس میں شک کرسکتا ہے کہ روشنی کی کرنیں، نور کی لہریں اور ضیاء کی جگمگاہٹ شادابئ حیات کا ذریعہ بنتی ہیں۔ یہ افق اور شفق کے کناروں ہی سے بکھرتی ہیں۔ تاروں کا حسن پوری کائنات میں مسکراتا محسوس ہوتا ہے اور ان کے جلوے شاداب درختوں کی محورقص شاخوں پر جہاں محسوس ہوتے ہیں وہاں صحرائی سنگریزوں کی چھاتی پر بھی محسوس ہوتے ہیں۔ آفتابی شعاؤں کی تاریں ننھے پودوں کی معصوم ٹہنیوں پر موسیقی بکھیرتی ہیں لیکن روشنی جہاں بھی ہو اس کا قالب سورج، ستارے اور چاند ہوتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ نبوت روشنی ہے، کتاب نور ہے اور حکمت ضیاء ہے لیکن ان سب محاسن و مناصب کا قالب بشریت ہے۔ ایسی بشریت جس کا خمیر نور میں گوندھ کر تیار کیا گیا ہوتا ہے۔ یہاں شائبہ شرک نہیں ہوتا، یہاں سے روحانی ہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ قرآن مجید صاف طور پر اعلان کردیتا ہے کہ کسی انسان کے لیے یہ حق ہی نہیں بنتا کہ اللہ اسے صحیفۂ نور، علم ودانش اور نبوت سے نوازے اور وہ پھر لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے یہ ممکن ہی نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وہ ہستیاں جن کی گود میں فطرت علم وحکمت کے یہ خزانہ ڈالے وہ ہمیشہ عبدیت اور عبودیت کے اندر رہتے ہیں۔ وہ عبدیت سے ماورئ معبود کے ساتھ شریک ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ جو ان پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں لمحہ بھر کے لیے بھی منفی سوچ اپنائے وہ اپنے ایمان کے لباس کو خود پھاڑ دیتا ہے۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب عقل سے عاری لوگوں کی حماقتوں کا افسوس نامہ ہے کہ ایسے ہی لوگ مسرتوں اور اطمینان سے محرومیوں کی دوزخ میں پھینک دئے جاتے ہیں۔ قرآن نہ پڑھنا بھی دلوں کو ناتواں اور روحوں کو منجمد کردیتا ہے۔ حیات عقیدہ کی جنت تو قرآن حکیم کی آیات بینات ہیں۔

ربّانی ہوجاؤ

کتاب، نبوت اور حکمت سب کا منشا یہ ہوتا ہے کہ لوگ ''ربانی'' ہوجائیں اللہ والے بن جائیں۔ مفسرین نے ''ربانی'' کے دو معانی بیان کیے ہیں: پہلا معنیٰ تو یہ بیان ہوا کہ یہ لفظ ''منوب الی الرب'' ہے۔ جیسے الٰھی منوب الی الاٰلہ ہے۔ عربی زبان میں ''لحیانی کثیر اللحیہ'' شخص کو کہتے ہیں جس کی داڑھی گھنی اور کثیر ہو۔ موٹی گردن والے آدمی کو ''رقبانی'' کہہ دیتے ہیں۔

''شعرانی'' وہ شخص ہوتا ہے جس کے بال لمبے اور گھنے ہوں۔ ''ربانی'' اگر منوب الی الربان ہو تو معنیٰ ''معلم الخیر'' ہوتا ہے (289)۔

''ربانی'' کا مفہوم المفردات میں یہ بھی لکھا گیا ہے جو بڑی چیزوں کے ساتھ چھوٹی چیزوں کی بھی تعلیم دے (290)۔ زبدہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ ''ربانی'' وہ مربی اور مرشد ہوتا ہے جو اصول اور فروع کے ساتھ ساتھ روحانی امور کی بھی تعلیم دے۔ میرے پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے: کہ ''ربانی'' اُس شخص کو کہتے ہیں جس کا ربط ربّ سے مضبوط اور محکم ہو۔ تعبیر وتفسیر کا مقتضا یہ ہوگا کہ رسول کے لائق نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنی پرستش سکھائیں۔ ان کی عظیم شان تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کریں، تعلیم آیات دیں اور حکمت سکھائیں۔ ''ربانی'' لوگوں کے لیے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ مقام نبوت سمجھیں اور ربّ والے بن کر زندگی گزاریں اور تعلیم آیات اور تدریس آیات کا چراغاں کریں۔ یہی خوئے محبت واستقامت ان کے لیے نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ راغب نے المفرادت میں ایک روایت نقل کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرمایا کرتے تھے کہ میں اس اُمت کا ''ربانی'' ہوں (291)۔

مجمع البیان نے لکھا کہ (292) ''ربانی'' ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ عالم اور فقیہہ بن جاؤ۔ تدریس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فضول معلومات کو مٹا کر تکرار عمل اور تعمیل کی خو سے ربانی تعلیمات کی بقا کا سبب بن جاؤ۔ واللہ اعلم

وَلَا يَأۡمُرَكُمۡ أَن تَتَّخِذُواْ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةَ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ أَرۡبَابًاۗ أَيَأۡمُرُكُم بِٱلۡكُفۡرِ بَعۡدَ إِذۡ أَنتُم مُّسۡلِمُونَ ۝٨٠

''اور تمہیں وہ یہ حکم بھی نہیں دے گا کہ فرشتوں اور انبیاء کو ربّ ہی بنا لو تم پر کوئی کفر کو کیسے پیش کرسکتا ہے جبکہ تم خود پکے مسلمان بن چکے ہو''۔

اس آیت کی تشریح اور تعبیر میں نیشا پوری کی بات پسندیدہ ہے (293) کہ انبیاء کے لیے درست، لائق یا مناسب نہیں کہ وہ لوگوں کو کہیں کہ ہماری شخصیت پرستی کرو اس لیے کہ نادرست اور ناروا تو ہر ایک کے لیے ہے کہ وہ ایسا قول کرے۔ اصل میں اس اور اس سے پہلی آیت میں آشکارا یہ بات کی گئی کہ رسولوں اور انبیاء کے ہاں اس بات کا امکان ہی نہیں ہوتا کہ وہ تعلیمات میں شرکیہ باتیں برداشت کریں۔ فرشتوں یا انبیاء کو ربّ ماننے یا بنانے کی تعلیم کا مرسلین کے ہاں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جب رسولوں کی معصومیت مسلّمہ ہے تو اُن کے ہاں کسی گناہ کی بات کا امکان نہیں ہو سکتا۔ یہ عدم امکانی عجز کی بنا پر نہیں ہے جو نقص ہو بلکہ انبیاء کی صفات کی برتری کی بنا پر ہے جو کمال ہی کمال ہے۔

علامہ ابن عاشور نے بھی یہی لکھا (294) کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کی عصمت بیان ہوئی کہ انبیاء کے لیے تصور کرنا کہ وہ لوگوں کو تعلیم اپنے ربّ ہونے کی دیں گے یا فرشتوں کو ربّ ماننے کی تلقین کریں گے مشاکلت بیان ہوئی کہ ایسا محال ہے، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آیت کی تعلیم ایک طرف توحید کے عقیدہ کی تسلیم ہے اور دوسری طرف انبیاء اور مرسلین کی معصومیت پر ایمان کی ہے۔

واللہ اعلم

وَإِذۡ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ لَمَآ ءَاتَيۡتُكُم مِّن كِتَٰبٖ وَحِكۡمَةٖ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُولٞ مُّصَدِّقٞ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهِۦ وَلَتَنصُرُنَّهُۥۚ قَالَ ءَأَقۡرَرۡتُمۡ وَأَخَذۡتُمۡ عَلَىٰ ذَٰلِكُمۡ إِصۡرِيۖ قَالُوٓاْ أَقۡرَرۡنَاۚ قَالَ فَٱشۡهَدُواْ وَأَنَا۠ مَعَكُم مِّنَ ٱلشَّٰهِدِينَ ۝٨١

''اور یاد کرو جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کسی کے ذریعہ کتاب وحکمت سے کچھ عنایت کروں پھر تشریف لائے

تمہارے پاس عظیم رسول تصدیق کرنے والے جو تمہارے پاس ہے اُس کی تو تم ضرور ضرور ایمان لانا ان پر اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس اقرار پر تم نے میرا بھاری ذمہ قبول کرلیا، بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تم سب گواہ ہو جاؤ میں تمہارے ساتھ ہی گواہوں میں سے ہوں''۔

یادوں کا خوبصورت عہد

قرآن مجید کی یہ آیت ''وَاِذْ'' سے شروع ہوتی ہے۔ بظاہر یہ دو حرفی لفظ ہیں لیکن ان کا آئینہ تاریخیت وسعت مآب ہے۔ ترتیب سخن سے شعلۂ نور روشن ہو رہا ہے جس میں ازمنۂ قدیم کی دعوتی یادوں کے چہرے نمایاں نظر آرہے ہیں۔ مظلوم مفسرین کی بے ترتیب یادداشتیں عقل کے بیابانوں اور جنگلوں میں کھوئی ہوئی اور تھکی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ طالبین ان سے مچھلیاں مانگتے ہیں اور وہ انہیں سانپ تحفے میں دیتے ہیں لیکن پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ وہ جود و کرم کے تاجدار ہیں۔ آیت کی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول قطعی ہے جسے ابن عاشور نے اور فخر الدین رازی نے شہامت کے ساتھ نقل کیا ہے(295):

''اللہ نے جب آدم اور دوسرے انبیاء کو پیدا کیا تو ان سے عہد لیا کہ جب محمد ﷺ مبعوث ہوں گے تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں''۔

علامہ آلوسی اور خازن اس کی مزید تشریح کرتے ہیں (296) کہ ''مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ'' تو ایک ہی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے لیا لیکن ہر نبی اُس کی تجدید اپنے اپنے دور میں اپنی قوم سے کرواتا رہا، گویا ہر زمانے اور ہر دور میں بعثت محمدیہ کی آواز گونجتی رہی، ایمان کی چنگاریاں سلگتی رہیں اور ان کی نصرت کے رنگ نکھرتے رہے۔ دعائے خلیل، نوید مسیحا، ذکر زبور، انابت آدم انبیاء کے دلوں میں موجود محمدی بعثت کے لیے منتظر آتش فشاں ہی تو تھے جن میں عبث تاویلات کے تنکے جلتے رہے اور خود بخود یہ اعتراف تسلیم و رضا کی تاریخ بن گیا کہ ''مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ'' کی بارات کا دولہا محمد ﷺ ہی ہیں۔

ضمیر کا شجر طوبیٰ

زندگی بھی راز ہے لیکن اس سے بھی زیادہ گہرا راز عالم ارواح کا وہ نورانی جلسہ ہے جس میں رحمت کونین ﷺ کی تصدیق اور نصرت کا وعدہ انبیاء کے نورانی اور روحانی قافلہ سے لیا گیا۔ ''بہ'' ضمیر اور ''وَلَتَنْصُرُنَّهٗ'' میں ''ہ'' ضمیر کی وحدت خود عنوان کو بکھرنے نہیں دیتی اور معنیٰ متعین کرنے میں کسی عادل محقق کو ڈگمگانے نہیں دیتی۔ اُس کا سہارا بن جاتی ہے کہ یہ کوئی ایک ہی ہستی ہے جس کی نصرت اور ایمانی تائید کا وعدہ لیا جارہا ہے۔ محبت کا عنوان ایک ہی ہے لیکن اس کے جلوے مختلف زمانوں میں مختلف نظر آتے ہیں۔ شمع کو آئینے کے سامنے رکھ دیں تو شمع کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ جتنے آئینے بڑھاتے جائیں گے۔ شمع تو ایک ہے آئینے متعدد ہوتے ہیں۔ ہمارے آقا ﷺ کے حسن میں وحدت ہے، تصدیق میں کثرت ہے۔ اصل میں تکریمات اور اکرامات کی تقسیم تو نسبتوں کا نور تقسیم کرنے کے لیے ہے۔

''مِیْثَاق'' کی لغوی تحقیق

''مِیْثَاق، وثوق'' سے ہے جو ''وثق یثق'' کا مصدر ہے۔ اساسی معنیٰ بہت مضبوط اور پختہ ہونا ہوتا ہے۔ ''مِیْثَاق'' اسی مادہ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مفہوم ایسا عہد ہوتا ہے جو بہت زیادہ مضبوط ہو۔

مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں (297):

چھ لفظوں میں فرق کرنا ضروری ہوتا ہے:

1: اقرار، 2۔ دعویٰ، 3۔ وعدہ، 4۔ عہد، 5۔ میثاق، 6۔ اور اصر

گزشتہ زمانے کی کسی چیز کو اپنے ذمہ لینا ''اقرار'' ہوتا ہے اور گزشتہ بات کو دوسرے کے ذمہ لگانا ''دعویٰ'' کہلاتا ہے اور آئندہ زمانے کے لیے کسی چیز کو اپنے ذمہ لے لینا ''وعدہ'' ہوتا ہے۔ اگر وعدہ ہی تحریر میں لایا جائے یا کسی اور طریقے سے اس میں پختگی لائی جائے تو یہ ''عہد'' ہوتا ہے اور اگر پختگی اس سے بھی بڑھادی جائے تو یہ ''میثاق'' ہوگا اور اگر میثاق کو توڑنے کی سزا بھی مقرر کردی جائے تو پھر یہ ''اصر'' ہوگا۔

لَمَا اور لِمَا کی قرأت میں فرق

زمخشری نے ''لَمّا'' تشدید کے ساتھ پڑھنے میں دو معانی کیے ہیں (298):

☆ پہلا معنیٰ تو یہ ہوگا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت سے نوازوں پھر وہ وقت جب تمہارے پاس اس کی تصدیق کرنے والا رسول آئے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا تم پر لازم ہوگا۔

☆ دوسرا معنیٰ یہ ہوگا کہ تمہیں کتاب اس لیے دی ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ۔

''لَمَا'' مخفف پڑھنے کی صورت میں لام برائے ابتدا ہے۔ یہ جملے میں حسن اور قسم دو معانی پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ حلف لینے کے معنوں میں ہو تو میثاق میں بہت زیادہ پختگی کا مفہوم دے گا۔

''لِمَا'' میں لام کے نیچے کسرہ پڑھنے سے یہ تعلیل کا معنیٰ پیدا کرے گا، معنیٰ یہ ہوگا کہ نبیوں سے میثاق لیا اس لیے کہ جسے بھی کتاب و حکمت دی گئی ہے اسے اس فضلیت کے ساتھ مخصوص کرنا لازم کرتا ہے کہ وہ باقی انبیاء اور رسولوں کی تصدیق کریں۔

تفصیل تفسیر کبیر میں دیکھی جاسکتی ہے(299)۔

''رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ'' سے مراد

''ثُمَّ'' صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک ایسے عظیم الشان رسول دنیا میں تشریف لانے والے ہیں جو تمام انبیاء کی نبوت اور اصولی تعلیمات کی تصدیق کریں گے اور نزول وحی کے مؤید ہوں گے۔ علامہ فخر الدین رازی نے بھی یہی لکھا کہ یہاں آیت میں ''رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ'' سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں(300)۔

گواہی سے مراد

علمائے تفسیر نے اُس کے متعدد معانی لکھے ہیں (301):

☆ پہلا معنیٰ یہ ہے کہ تم ایک دوسرے پر اقرار کے ساتھ گواہ ہو جاؤ۔

☆ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ یہ خطاب فرشتوں سے ہے کہ تم گواہ رہو۔

☆ تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی ذات پر گواہ ہو جائے۔

☆ چوتھا معنیٰ یہ ہے کہ یہ عہد ہر خاص و عام کے سامنے بیان کروتا کہ کوئی شخص بے خبری میں رہنے کا عذر نہ کرسکے۔

☆ پانچواں معنیٰ تم یقین کرلو کہ میں نے جس پر تم سے عہد لیا ہے اس پر تم اس طرح ہو جاؤ جیسے کوئی کسی شئ کو دیکھنے والا شاہد ہوتا ہے۔

☆ چھٹا معنیٰ یہ ہے کہ یہ عہد تمام نبیوں کی اُمتوں سے تھا انہیں کہا گیا کہ تم

گواہ ہو جاؤ۔

میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں

قرآن مجید کی یہ آیت اوصاف رسالت بیان کرنے میں عرش معلیٰ کے جلوے رکھتی ہے۔ مقام رسالت اور فضلیت نبوت کا گلستان نور و بہجت میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ''اَنَا مَعَکُمْ'' ''میں تمہارے ساتھ'' کی لذتیں اسرار معرفت کی ہزار جنتیں قاریٔ قرآن کے ساتھ لاکر کھڑا کر دیتی ہیں۔ یہ جملہ لزوم اور تقویت دونوں کو آشکار کر دیتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ نے اگر تمہیں گواہ بنایا ہے تو وہ ایسا کرنے میں تمہارا محتاج نہیں۔ یہ صرف تمہارا اعزاز ہے کہ ایک اہم تاریخی معجزے کے تم گواہ بنا دیے گئے ہو۔ دوسرا یہ کہ تاج پوشی کے مشاہدے کی لذتیں اپنی ہی تاریخ رکھتی ہیں اور سرمحشر یہ بھی ہوگا کہ کسی اُمت کا کوئی فرد بول بھی نہ سکے گا اس لیے کہ ہر نبی اور رسول، ملائکہ اور اُمتیں میثاق وفا، عہد ایمان اور پیمان نصرت کی خود گواہ ہوں گی اور ان پر خود اللہ تعالیٰ کی گواہی ہوگی۔ شاہد کا معنیٰ اگر واقعۃً مشاہدہ سے لیا جائے تو معنوی اور عرفانی لذتوں کی شیرینی ''لانظیرلہٗ'' ہو جاتی ہے۔

واللہ اعلم

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

''پھر اس کے بعد جس نے اعراض برت لیا تو ایسے سب لوگ نافرمان ہوں گے''۔

اس آیت سے پہلے میثاق کی وسعت بیان ہوئی۔ عہد وفا و نصرت کے تقاضے بیان ہوئے۔ انسانی ضرورتوں کے حوالے سے روحانی تاریخ کی ایجاز کے ساتھ تعبیرات بتائی گئیں۔ رسولوں کے حوالے سے کتاب وحکمت کی اہمیت وفضلیت قاریٔ قرآن کے سامنے لائی گئی۔ عہد کو توڑنے پر وعیدیں سنائی گئیں۔ جمالیاتی اعتبار سے میثاق کے پختہ اور مشاہد ہونے کا بیان دیا گیا۔ اقرار و تصدیق کے نقوش روشن کیے گئے۔ ایمان اور نصرت کا عالمی منشور قرآن کے سامنے بیٹھنے والوں پر آشکار کر دیا گیا اور ذمہ داریوں کے قبول کرنے کی بات بھاری اور ثقیل لفظوں میں لکھی گئی۔

قرآن مجید کی یہ آیت میثاق سے منہ پھیرنے والوں کے لیے عواقب اور نتائج کی نشان دہی کرتی ہے کہ ان تاکیدات، اصرار اور مستحکم و مضبوط عہد کے بعد بھی جو لوگ رسول رحمت کی نبوت اور اطاعت سے روگردانی کریں گے وہ فاسق اور حکم خدا سے برگشتہ ہو جانے والے ہوں گے۔ فسق کا لفظ اور منہ پھیرنے کی نسبت ہمارے نزدیک انبیاء کی ملتوں، قوموں اور اُمتوں کی طرف ہے کہ اس روحانی عہد و میثاق کے جس طرح انبیاء و مرسلین پابند رہے ان کی اُمتوں پر بھی لازم ہے کہ وہ پابند رہیں اور عرفانِ حق کی روحانی، انفرادی اور عالمی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں۔ یہ آیت اگر یہ گراں بار نتیجہ بیان نہ کرتی تو میثاق پر تاکیدات میں نرمی محسوس ہوتی، اس لیے حکم عدولی کا انجام کردار کے فنا ہونے کی صورت میں بتایا گیا۔ اتنی سخت بات ظاہر ہے پیروکاروں ہی کے لیے ہو سکتی ہے۔ انبیاء اور مرسلین کی طرف فسق کی نسبت نہیں ہو سکتی۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

''کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کچھ اور تلاش کرتے ہیں حالانکہ اس کے سامنے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے خوشی سے اور مغلوب ہو کر گردن بچھائے ہوئے ہے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے''۔

قرآن مجید کی اس آیت کے محکم، مضبوط اور روح میں اترنے والے اسلوب کی کمند تسخیر ان تمام ذہنوں پر ڈال دی جاتی ہے جو بھگوڑا ہونے کے لیے پر کٹے پرندوں کی طرح پھڑ پھڑاتے ہیں، بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، دین کو چھوڑ کر اسطورے تلاش کرتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ منکرین کیا اللہ کے دین کو چھوڑ کر کسی اور دین کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کیا وہ لوگ دین اسلام کی تصدیق صرف اس لیے نہیں کرتے کہ ان کی جھوٹی آرزوؤں اور خواہشات کی یہاں سے تائید نہیں ہوتی۔ سمجھنے کے لائق بات یہ ہے کہ اسلام اپنی تمام تر حقیقتوں اور واقعیت کے ساتھ تکوین کے انگ انگ میں سمایا ہوا ہے۔ ارضین میں کوئی مقام ایسا نہیں اور آسمانوں میں کوئی مکان ایسا نہیں جہاں ضابطۂ اجباری یا ضابطۂ اختیاری کے نتیجہ میں ہر شئ مسلمانی کی تصویر نہ بنی ہوئی ہو۔ سمجھنے دیکھنے کے لیے دل میں دیوانگی کا شور ہونا چاہیے۔ روح میں عرفان حق کی آتش سوزاں کا وجود چاہئے اور ذہن میں تسلیم ووفا کی بے قراری بھڑکتی ہوئی ہونی چاہیے۔ یہ ساماں اگر موجود ہوں تو پھر قرآن کہتا ہے کہ سمٰوٰت کی وسعتوں میں، زمین کی مخلوقات میں، دریاؤں کی روانی میں، دھنک کے رنگوں میں، آبشاروں کی اٹکھیلیوں میں، سمندروں کی لہروں میں، ستاروں کی جھلملاہٹ میں، چٹانوں کی صلابت میں، ہر طرف اور ہر سو تمہیں مسلمانی نظر آئے گی۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ہر شئ مسلمان ہو کر جی رہی ہے لیکن ان انسانوں کو کیا ہوا کہ جنہیں عقل وفکر کے عطیے دیے تھے وہ ہی مسلمانی کا مقام نہیں سمجھ پا رہے۔ سمجھنے والوں کے لیے اس آیت میں مسلمانی کی کتنی مؤثر تحریک ہے۔ جو دلوں میں تلاوت آیت سے ابل پڑتی ہے۔

حوالہ جات

(269) ام الکتاب: ابوکلام آزاد صفحہ نمبر 52 مطبوعہ دہلی

(270) فی ظلال القرآن: سید قطب (271) الیسر التفاسیر: ابوبکر جابر الجزائری

(272) تاج العروس: حنفی (273) المفردات: راغب

(274) ضیاالقرآن: پیر کرم شاہ (275) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(276) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی (277) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(278) سنن ابن ماجہ، باب ذہاب الامانہ حدیث نمبر 4043

(279) احیاالعلوم: غزالی باب ایفائے عہد (280) الجامع لاحکام: قرطبی

(281) الجامع البیان: طبری (282) صحیح بخاری حدیث: 2239

(283) التحریر: ابن عاشور (284) لسان العرب: ابن منظور ایضاً المفردات ایضاً تاج

(285) تفسیر ابن عاشور (286) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً روح المعانی ایضاً التحریر

(287) لباب النقول ایضاً خازن ایضاً نمونہ (288) خازن ایضاً خزائن العرفان

(289) روح المعانی: آلوسی ایضاً کمالین ایضاً لباب ایضاً شیخ زادہ ایضاً اسماعیل

(290) المفردات: راغب (291) المفردات: راغب

(292) مجمع البیان: طبرسی (293) تفسیر القرآن: نیشاپوری

(294) التحریر: ابن عاشور (295) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(296) روح المعانی: آلوسی ایضاً خازن (297) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی

(298) کشاف: زمخشری (299) تفسیر کبیر: فخر رازی

(300) التفسیر المنیر: وھبہ ایضاً آلوسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً ابن عاشور ایضاً ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً رازی

(301) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

امام اس لئے مقرر کیا گیا کہ اس کی اقتدا کی جائے

محمد صدیق ہزاروی

عن عائشة ام المومنين (رضی الله عنها) انها قالت رسول الله ﷺ فی بيته وهو شاك فصلی جالسا وصلی وراته قوم قياما فاشار اليه ان اجلسوا فلما الضرف قال انما جعل الامام ليوتم به فاذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا صلی جالسا فصلوا اجلوسا۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیوتم بہ حدیث: 688)

''ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماری کی حالت میں گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور (مسجد میں) صحابہ کرام آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تو آپ نے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، جب سلام پھیرا تو فرمایا امام اس لیے مقرر کیا گیا کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ (رکوع سے) کھڑا ہو تو تم بھی کھڑے ہو جاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو''۔

اس حدیث میں جو بنیادی بات بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مقتدی اور امام کے درمیان یعنی اقتدا کرنے والے اور مقتدا جس کی اقتدا کی جائے، کا تعلق اور رشتہ ہے اس لیے فرمایا کہ وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو یعنی اس سے پہلے رکوع نہ کرو اور جب وہ رکوع سے کھڑا ہو تو اس وقت تم کھڑے ہو۔ اگرچہ حدیث شریف میں ان دو باتوں کا ذکر کیا گیا کہ امام سے پہلے یہ کام نہ کیے جائیں لیکن سجدہ کرنے، سجدے سے اٹھنے اور جلسہ وغیرہ میں بھی امام سے پہل کرنا جائز نہیں یہی حکم تکبیر تحریمہ کا ہے۔ اس سلسلے میں دوسری بات یہ فرمائی کہ جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو تو یہ پہلے کی بات ہے حضور ﷺ کا آخری عمل یوں تھا کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام کھڑے تھے۔

حضرت حمیدی فرماتے ہیں حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی کہ جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو یہ آپ کی قدیم علالت کا واقعہ ہے اس کے بعد حضور ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے کھڑے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور آخری عمل کو اپنایا جاتا ہے اور حضور ﷺ کا آخری عمل یہی تھا۔

(صحیح بخاری حدیث: 689)

امام کی اقتدا کی وضاحت کے سلسلے میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

اقتدا کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے احوال میں مقتدی اپنے امام کی اتباع کرے لہٰذا تین باتوں کی نفی ہوگئی:

1: مقارنت یعنی امام کی نماز کے ساتھ مقتدی کی نماز (ملی) ہو۔

2: مسابقت یعنی مقتدی کی نماز کے ارکان امام کی ادائیگی سے پہلے ادا کیے جائیں۔

3: مخالفت یعنی امام مثلاً رکوع کر رہا ہو اور مقتدی قیام میں ہو یا سجدہ کر رہا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ ساتھ بھی نہ ہو پہلے بھی نہ ہو اور اس کے خلاف بھی نہ ہو۔

آپ فرماتے ہیں:

جہاں شریعت نے تخصیص کر دی وہاں اختلاف ہو سکتا ہے جیسے حضور ﷺ نے مرض وفات میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی اور صحابہ کرام کھڑے تھے تو یہ عمومی حکم میں تخصیص ہے اور حضور ﷺ کی حدیث تقریری سے ثابت ہے۔ حدیث تقریری یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا گیا اور آپ نے منع نہ فرمایا تو یہ حدیث تقریری ہے گویا یہ خود حضور ﷺ کا قول ہے جو شخص رکوع اور سجدہ کر سکتا ہے چاہے کھڑا نہ ہو سکے اس کی امامت جائز ہے اگرچہ مقتدی کھڑے ہوں اور جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لیے نوافل کے علاوہ کوئی نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں لہٰذا جب امام بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی کھڑے ہوں گے کیونکہ امام کے لیے مجبوری ہے مقتدیوں کے لیے نہیں۔

لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ جب کوئی شخص رکوع اور سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ اشارے سے نماز پڑھے گا اور جو رکوع اور سجدہ کر سکتا ہے وہ اشارے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا گویا اشارے سے نماز پڑھنے والا امامت نہیں کروا سکتا کیونکہ رکوع اور سجدہ پر قادر شخص کی حالت اعلیٰ ہے اور اشارے والے کی حالت ادنیٰ ہے اور اعلیٰ کی اقتدا ادنیٰ کے پیچھے نہیں ہوتی ہے اور اس سے مراد نماز کے ارکان کی ادائیگی کے حوالے سے ادنیٰ اور اعلیٰ میں تقسیم ہے ورنہ استاذ اپنے شاگرد کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ نماز کے مسائل کو جانتا ہو۔

اسلامی عبادات معاشرتی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اس کے لیے راہنمائی کا کام دیتی ہے جیسے نماز بے حیائی سے روکتی ہے تو صحیح طریقہ پر نماز کی ادیگی سے ایک ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

روزہ ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا کرتا ہے تو روزے کی صحیح روح کو پیش نظر رکھا جائے تو غریب پرور معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج کا فلسفہ ہے تو جب نماز میں امام کی اقتدا کو ضروری قرار دیا گیا کہ مقتدی ارکان نماز نہ تو امام کے ساتھ ادا کرے نہ پہلے ادا کرے اور نہ اس کی مخالفت کرے تو اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار امیر کی اطاعت رعایا پر لازم ہے یوں نماز کی وجہ سے معاشرتی زندگی پُر امن اور پُر سکون بن جاتی ہے اور بغاوت کا قلع قمع ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ خواجگی امکنگی قدس سرہ

محمد یوسف مجددی

امکنہ (نزد بخارا) 918ھ/1512ء۔

امکنہ 1008ھ/1600ء

22 شعبان

مادہ تاریخ رحلت: شیخ زمان 1008ھ

نسبت باطنی

والد گرامی مولانا درویش محمد قدس سرہ

خلیفہ

خواجہ خواجگان خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ

تعارف

آپ کا اسم مبارک خواجگی (منسوب بہ خواجہ درویش محمد) اور آپ کی ولادت موضع امکنہ نزد بخارا ہوئی۔ آپ خواجہ درویش محمد قدس سرہ کے صاحبزادے تھے۔

نسبت باطنی

آپ نے اپنے والد گرامی قدر حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہ سے ہی علوم ظاہری و باطنی حاصل کیے اور انہی سے بیعت ہو کر مقام تکمیل و ارشاد تک پہنچے اور تیس 30 سال سے زیادہ عرصہ مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن رہے۔ طریقۂ نقشبندیہ کی سخت رعایت سے فرماتے تھے ذکر جہر جو حادثات زمانہ سے طریقہ میں کچھ نہ کچھ داخل ہو گیا تھا اس سے پرہیز فرماتے تھے۔

آپ خواجہ نقشبند کے اصلی طریقہ کے سختی سے پابند تھے۔

علم و تصرف

آپ عابد و زاہد اور صاحب کرامات وخوارق وقت تھے۔ اپنے وقت میں طالبانِ طریقت کے مرجع تھے۔ باطنی تصرف کا یہ عالم تھا کہ علماء و فضلاءِ عصر اور امراء فقراء ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے باوجودیکہ آپ اپنے حالات کے اخفاء میں بہت سعی فرماتے تھے لیکن بقول شخصے:

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

کے مصداق ملوک و سلاطین بھی آپ کے آستانہ عالیہ کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بناتے تھے۔

مہمان نوازی

باوجودیکہ آپ بہت معمر ہو چکے تھے اور ہاتھ کانپتے تھے لیکن اپنے مہمانوں کے لیے کھانا لاتے تھے حتیٰ کہ سواریوں کی خبر گیری بھی خود فرماتے تھے۔

وصال

اپنے انتقال سے تھوڑے دن پہلے اپنے خلیفۂ خاص خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کو خط لکھا جس کے آخر میں یہ شعر تھے:

زماں تا زماں مرگ یاد آیدم
ندانم کنوں تا چہ پیش آیدم
جدائی مبادا مرا از خدا
دگر ہرچہ پیش آیدم شایدم

اس خط کے پہنچتے ہی آپ اس دنیائے دوں سے رخصت ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

تاریخ وصال 22 شعبان المعظم 1008ھ ہے۔ آپ کا مولد قریہ امکنہ ہے جو بخارا کے نزدیک ہے لیکن صاحبِ حضرات القدس کے مطابق سمرقند کے اطراف میں ہے۔

مقام و عظمت

سلطان عبداللہ خان والی توران نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان خیمہ کھڑا ہے جس کے اندر امام الانبیاء حضور سید المرسلین ﷺ رونق افروز ہیں اور ایک بزرگ دروازہ پر ہاتھ میں عصا لیے ہوئے کھڑے ہیں اور لوگوں کی معروضات و مہمات حضور ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں پیش کر کے جواب لاتے تھے۔ اسی اثناء میں آنحضرت ﷺ نے ان کے ہاتھ ایک تلوار بھیجی اور انہوں نے وہ تلوار لا کر سلطان کی کمر میں لٹکا دی۔

فی الفور عبداللہ خاں کی آنکھ کھل گئی۔

صبح عبداللہ خاں اس بزرگ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے کہ ایک مصاحب نے بتایا اس حلیہ کے بزرگ مولانا خواجگی امکنگی ہیں۔ سلطان یہ سن کر بہت خوش ہوا اور بڑے شوق سے تحائف و ہدایا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا حلیہ بعینہٖ وہی پایا جو خواب میں دیکھا تھا۔

سلطان نے نہایت انکساری و نیاز مندی اور تواضع سے نذرانہ قبول کرنے کی درخواست کی لیکن حضرت نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا حلاوتِ فقر قناعت اور ناداری میں ہے۔ سلطان نے آیۃ مبارکہ واطیعوا اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم کی طرف اشارہ کیا تب مجبوراً قبول فرمایا۔ اس کے بعد تقریباً ہر روز سلطان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

تین طالب علم

ایک دفعہ تین طالب علم مختلف اداروں سے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے نے نیت کی اگر فلاں قسم کا کھانا آپ نے کھلایا تب صاحبِ کرامت سمجھوں گا۔ دوسرے نے دل میں کہا کہ اگر فلاں قسم کا میوہ کھلائیں تو وہ ولی ہیں۔ تیسرے نے دل میں کہا کہ اگر فلاں حسین لڑکے کو مجلس میں حاضر کر دیں تو صاحبِ خوارق ہیں۔

بقیہ صفحہ 36 پر

قرآنی آیات اور حکمتوں کی روشنی میں
سوال وجواب

حکمتِ قرآن

قسط اول

مفسر قرآن مفکر اسلام پیر سید ریاض حسین شاہ جی اے آر وائے کیو ٹی وی کے زیر اہتمام اتوار کی شب 7 بجے ''حکمت قرآن'' کے عنوان سے نشر ہونے والے ایک پروگرام میں قرآنی حکمتوں اور اسرار و رموز کے بیش بہا موتی اپنے ناظرین و سامعین کو عطا کرتے ہیں۔ اس پروگرام میں میزبانی کے فرائض ملک کے معروف نقیب قاری محمد یونس قادری سرانجام دیتے ہیں۔ پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے ان علمی و روحانی خزائن کو ماہنامہ ''دلیل راہ'' کے سامعین کے لیے قرطاس پر منتقل کرنے اور آپ تک پہنچانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

آیئے!!! شاہ جی کی ان نور نور اور حکمت افروز قرآنی تبرکات سے مستفید ہوتے ہیں۔

سوال نمبر 1

قرآن کیا ہے؟ ہمارے لیے قرآن پڑھنا کیوں ضروری ہے؟

جواب

قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے انسانیت کے لیے تحفہ اور پیغام ہے۔ قرآن رحمت ہے اور برکت ہے۔ اس کی 114 سورتیں، انسانیت کی فلاح اور ہدایت کے لیے، ایک کامل دستور کا اعلان ہیں۔ اس دور میں جب ہر چیز درہم برہم اور زیر و زبر ہے۔ افکار، تہذیبیں، تمدن، خلوتیں اور جلوتیں سب کچھ لٹ رہا ہے تو ایسے میں انسان کو ایک ایسے لائحۂ عمل کی ضرورت ہے جس سے وہ اپنے آپ کو اور قافلۂ انسانیت کو تباہی سے بچا سکے۔ وہ لائحۂ عمل قرآن ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کی روشنی کو اپنانا بھی نہایت ضروری ہے۔ نوجوان نسل جو آہستہ آہستہ حقائق اور صداقتوں سے دور ہو رہی ہے۔ ضروری یہ ہے کہ ہم سلیقہ اور حکمت کے ساتھ انہیں قرآن کی طرف لائیں۔

سوال نمبر 2

قرآن پاک سیکھنے اور سکھانے کا تقاضا کیا ہے؟

جواب

قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو ہمیں رسول کریم ﷺ کے واسطے اور وسیلے سے ملا۔ اس کا ایک ایک حرف نور ہے اور اس کے کلمات رحمت کا پیغام رکھتے ہیں۔ اس کی دل آویزیوں، نیرنگیوں، اور رعنائیوں کو لفظوں میں سمویا نہیں جا سکتا۔ مجھے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں قرآن مجید کا استاد ہوں۔ میرے خیال میں استاد بن کر بیٹھنے سے زیادہ بہتر ہے کہ ہم شاگرد بن کر قرآن مجید کے سامنے بیٹھیں۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ اسی نے اس کی حفاظت کی ہے۔ ہمیں عاجزی کے ساتھ قرآن کے سامنے آنا ہے اور ایک خاص طلب لے کر بیٹھنا ہے۔ قرآن حکیم نے کہا:

الرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔

''رحمتوں والا انتہائی مہربان۔ تعلیم دی اس نے قرآن کی''۔

الرحمن خود معلم ہے۔ بہت سی غلط فہمیاں اور غلطیاں اس لیے پیدا ہوئیں کہ ہم لوگ قرآن حکیم کے سامنے استاد بن کر بیٹھ گئے اور جب استاد بن گئے تو ہم نے اپنے افکار کے حاشیے قرآن پر چڑھا کر انسانیت کو اس کے حقیقی پیغام سے دور کر دیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خلوص، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ قرآن حکیم کو پڑھیں، سمجھیں اور اس کے معنیٰ کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کریں۔ قرآن مجید کے سمجھنے اور سمجھانے کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ کائنات کے بنانے والے نے رسول کریم ﷺ کے ذریعے سے سب کچھ تقسیم فرما دیا ہے۔ ہمیں بس خلوص کے ساتھ لینے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس تقاضے پر کان دھر لیں تو ہمارے دور کے بیسیوں مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

سوال نمبر 3

آج کے دور میں قرآن سیکھنے اور سکھانے کے مراکز تو بہت ہیں لیکن اس کے باوجود نوجوان نسل کا تعلق قرآن سے ٹوٹتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا ربط قرآن کریم سے کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟

جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''مُفَسِّر ہونے کے لیے یہ بات ذہن میں

رکھنی چاہیے کہ زمانہ خود قرآن کی تفسیر بیان کرتا ہے اور قرآن خود زمانے کے نشیب و فراز کو اپنے پڑھنے والے پر ظاہر کرتا ہے"۔

ایک معمولی سا سودا بیچنے والا شخص بھی، اپنے سودے کو بیچنے کی غرض سے منظم، خوبصورت اور پُرکشش بنا کر رکھتا ہے۔ تو وہ عالم دین جو قرآن سکھانے کا اہتمام کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنی دینی خدمات میں کشش پیدا کریں جس وقت ہم اپنی خدمات کو جاذب نظر، جاذب دل اور جاذب روح بنا لیں گے تو زمانہ خود بہ خود ہی قرآن کی طرف کھنچا چلا آئے گا جس وقت ہم کوشش کریں گے کہ قرآن کا پیغام گلی گلی، کوچہ کوچہ، روبہ رو، دل بہ دل اور سینہ بہ سینہ پہنچ جائے تو یہ خلوص کی تحریک بے منزل نہیں رہے گی۔ اگر کوشش صادق ہو، طالب صادق ہو، منزل صادق ہو، مسافر صادق ہو، ہاتھ میں روشنی کی مشعل بھی ہو، تو ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سب مسائل حل ہو جائیں گے۔

سوال نمبر 4

قرآن حکیم پڑھنے کے لیے باوضو ہونے کی قید کیوں لگائی گئی؟ اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟

جواب

قرآن مجید اپنے فہم کے حوالے سے جو بنیادیں فراہم کرتا ہے ان میں سے ایک بنیاد یہ ہے کہ:

لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْن (الواقعہ)

"پاکیزگی رکھنے والوں کے سوا کوئی اسے مس نہ کرے"۔

بلاشبہ اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی طرف ہے لیکن میں عرض کروں کہ پاکیزہ تعلیم، آلودہ اور ناپاکیزہ موحول سے بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس میں اتنا ہی فرق ہے کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہوا ہو اور دوسرا آدمی عرش پر پہنچ جائے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے اس کلام کو حضور ﷺ کے لبوں نے چھوا ہے۔ اس کی نسبت سرکار عالمیاں ﷺ سے ہے۔ اس کے الفاظ اور افکار پاکیزہ ہیں۔ یہ یاقوت اور مرجان کی طرح ہیں۔ یہ کلام اپنے اندر رنگ اور خوشبوئیں رکھتا ہے اور تجلیات کے کئی جلوے اس کے اندر موجود ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو آلودگی سے بچا کر، پاک ہو کر قرآن کی طرف بڑھیں۔ تا کہ عظیم منزلیں شستہ راستے سے ہمارے دل کی کیفیت بن جائیں۔

سوال نمبر 5

قرآن حکیم کے پڑھنے سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھی جاتی ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب

دنیا میں دو طرح کی قوتیں ہیں جو اپنے اپنے انداز سے متحرک ہیں۔ ایک مثبت قوتیں ہیں اور دوسری منفی۔ دنیا کی ہر چیز کے اندر ایک فائدے کا پہلو ہے اور ایک نقصان کا پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آزمانے کے لیے یہ ساری کائنات بنائی۔ وہ لوگ بخت والے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلوص کے ساتھ چلنے کی تعلیم دے دی ہے اور وہ لوگ بے بخت ہیں جو منفی راستوں پر چل دیے ہیں۔ منفی اسباب کا سربراہ شیطان ہے۔ وہ ہر وقت انسانی ذہن اور اس ماحول کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے وسوسوں سے انسان کے باطن کو اجاڑ دینا چاہتا ہے۔ تو ایسے میں انسان کو ایک طاقت کی ضرورت چاہیے، شیطان مردود کے شر سے بچنے کے لیے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طاقت سے بڑھ کر اور کس کی طاقت ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

"میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے"۔

تعوذ میں دو چیزیں ہیں:

1:۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کو تسلیم کرتے ہوئے اور اپنے اپ کو محفوظ بنانے کے لیے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔

2۔ آدمی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ قرآن ایک بڑی طاقت ہے لیکن اس کی طلب صادق اور روحانی منزل کے خلاف، شیطان ایک آڑ بنتا ہے۔ اس بھاری آڑ کو ہٹانے کے لیے بندہ کہتا ہے: "اے اللہ! میں عاجز ہوں۔ میں اپنے آپ کو تیری پناہ کے قلعے میں دیتا ہوں"۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد بندے کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔ تو قرآن کا نور اور رنگ، شیطانی مداخلت کے بغیر اس کے دل میں کھب جاتا ہے اور پھر اس تخم سے اس کے اندر کردار پیدا ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام کا قول مبارک ہے کہ:

"جو بندہ تعوذ پڑھ لیتا ہے اللہ تعالیٰ، اس بندے اور شیطان کے درمیان تین سو پردے حائل فرما دیتا ہے"۔

قرآن مجید نور ہے، رنگ ہے، خوشبو ہے اور ذائقہ ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ، پیغامات اور باتیں، کردار ساز ہیں لیکن ان تمام کیفیات تک رسائی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں جو شخص بھی خود کو گمراہی میں ڈوبا ہوا محسوس کرے، اس کو چاہیے کہ وہ خود کو خلوص اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا لے کہ "کہیں میرا ربّ مجھ سے ناراض تو نہیں ہے"۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی سے راضی ہو جائے تو اس بندے کی داخلی اور خارجی کائنات میں خود اللہ تعالیٰ بندے سے قریب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب بندے کو ہر آڑ کے خلاف تحفظ دیتا ہے اور اس کو بھٹکنے سے بچا لیتا ہے۔

سوال نمبر 6

قرآن ایک ذائقہ ہے۔ یہ منزل کب ملتی ہے کہ قرآن کی لذتوں سے ایک قاری محظوظ ہو سکے؟

جواب

میں کیفیات کی دنیا میں کھب کر یہ عرض کرنے لگا ہوں کہ کہا گیا:

إذا تكرر الكلام على السمع تقرر في القلب

"جس وقت کوئی چیز کان پر بار بار دہرائی جائے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ دل میں اتر جاتی ہے"۔

کیفیات تین چیزوں کا نتیجہ ہوتی ہیں:

(1) حسن عقیدہ/حسن ایمان

(2) حسن عمل/حسن تجربہ

(3) اور اپنے آپ کو اس راہ میں اتنا مستغرق کر دینا کہ حنفیت اور یکسوئی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس طرح کہ آدمی اس کے بغیر کچھ نہ سوچے۔ کوئی بندہ کوئی قول سنائے تو آیات خود بہ خود اس کی زبان سے نکلنے لگ جائیں۔ یہ سب قرآن مجید کی متشکل راہ ہیں کہ جس میں جب جنت کا ذکر آتا ہے تو انسان کیفیت سے ہی محسوس کر لیتا ہے کہ میں جنت کا پھل کھا رہا ہوں۔ یہ ساری منزلیں روحانی طریقے سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانیت کو وہ آنکھ دے کہ وہ حضور ﷺ کی سیرت کا یہ چمنستان جو قرآن کی صورت میں ہے اسے دیکھ سکے اور اس کی خوشبو کو محسوس کر سکے۔ آمین۔

دو سید زادوں کی مہکتی یادیں

زلزلہ آیا اور گزر بھی گیا
ہے مگر شہر میں ابھی ہل چل

دورِ افق مبین پر، تاروں کی چھاؤں میں رُشد وہدایت کی جو قندیلیں روشن ہوئیں ان میں چند روشنی سے ملتے جلتے پیکر ہمیشہ عزم وہزیمت کی تاریخ رقم کرتے رہے۔ گننے بیٹھیں تو کہکشاں سے زیادہ نور بار نام ہیں لیکن گزشتہ چند دنوں میں سادات گھرانے کے دو چشم و چراغ اللہ کو پیارے ہوئے۔ اوّل الذکر پیر سید میر طیب شاہ صاحب بخاری سجادہ نشین کرماں والا شریف تھے اور دوسرا نام پیر سید مدثر شاہ صاحب زیب سجادہ سبحان شریف کا ہے۔ سیدوں کی عالی نسبی کی ساری علامتیں دونوں بزرگوں میں تھیں۔ بہادر، شجاع، خدا پرست اور حق پر ڈٹ جانا۔ دونوں میں مداہنت نام کی کوئی شئ نہیں تھی۔

بلاشبہ گھرانۂ رسول اس اوّلین سرچشمۂ شرافت سے تعلق رکھتا ہے جو پھوٹا تو ایک ہی مقام سے لیکن اس کی سوتیں نگر نگر پھوٹیں اور فضیلتوں اور شرافتوں کی ندیاں اور دریا اطرافِ عالم میں رواں دواں ہو گئے۔

سید مدثر شاہ صاحب وضع داری اور محبت کا روشن نشان تھے۔ میرے ساتھ ان کی محبتیں تاریخی ہیں۔ وصال سے پہلے ملاقات کے لیے تڑپے لیکن عدیم الفرصتی میری محرومی کا سبب بن گئی۔ پیرانہ سالی میں دین کے لیے متحرک ہونا ایسا تھا کہ ان کا بڑھاپا زلیخا کی جوانی نظر آتی تھی۔

اللہ تعالیٰ ہر دو بزرگوں کی مغفرت فرمائے اور ان کی ارواح کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

سید ریاض حسین شاہ

سوال نمبر 7

قرآن مجید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تورات، زبور اور انجیل کا علم سورۃ الفاتحہ میں رکھ دیا گیا اور سورۃ الفاتحہ کا علم بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں رکھ دیا گیا اور بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا علم ''با'' کے حرف میں رکھ دیا گیا اور ''با'' کے نقطہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مراد ہیں. تو ان سب میں کیا راز ہے؟

جواب

مذاہب کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوا جائے. اس مقصد کی خاطر آپ جو بڑی منزل متعین کرتے ہیں. اس تک رسائی کے لیے ایک چابی درکار ہوتی ہے اور code words ہوتے ہیں. اگر آپ پورے قرآن کے ساتھ مربوط ہونا چاہتے ہیں تو اس مقصد کے حصول کے لیے "تسمیہ" وہ code words ہیں جو آپ کی رسائی کو ممکن بناتے ہیں. اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جو کام کرو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر کرو اور وہ کام بے نام و نشان ہوتا ہے اور مقطوع (اپنے مقصد سے کٹ جانے والا) ہوتا ہے جس میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہ پڑھی جائے". گویا تسمیہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ روشنی کا چراغ ہے کہ اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ مربوط ہو جائے تو یہ روشنی اس کے لیے قرآن پڑھنا بھی آسان بنا دیتی ہے اور زندگی گزارنا بھی آسان بنا دیتی ہے. قرآن مجید میں اسماء الحسنٰے کا ایک روحانی نظام ہے. ہر سورۂ مبارکہ کی پیشانی پہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ضرور لکھا ہوتا ہے. اس میں تین اسماء ہیں. (1) اللہ (2) الرحمن (3) الرحیم. تو اللہ تعالیٰ کے اسماء کا جو روحانی نظام ہے اور اس برکتوں والے ماحول کا جو جلی (روشن) عنوان ہے وہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے. گویا تسمیہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قرآنی علم اور قرآنی خزانوں کی کنجی ہے.

باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الطُّهُورِ

حسنات احمد مرتضیٰ

وضو کی فضیلت کے بیان میں

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى الْقَزَّازُ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتْ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ أَوْ نَحْوَ هَذَا وَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتْ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ حَدِيثُ مَالِكٍ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبُو صَالِحٍ وَالِدُ سُهَيْلٍ هُوَ أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ وَاسْمُهُ ذَكْوَانُ وَأَبُو هُرَيْرَةَ اخْتُلِفَ فِي اسْمِهِ فَقَالُوا عَبْدُ شَمْسٍ وَقَالُوا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو وَهَكَذَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ وَهُوَ الأَصَحُّ قَالَ أَبُو عِيسَى وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَثَوْبَانَ وَالصُّنَابِحِيِّ وَعَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ وَسَلْمَانَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَالصُّنَابِحِيُّ الَّذِي رَوَى عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ لَيْسَ لَهُ سَمَاعٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَاسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عُسَيْلَةَ وَيُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللَّهِ رَحَلَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقُبِضَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِي الطَّرِيقِ وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَحَادِيثَ وَالصُّنَابِحُ بْنُ الأَعْسَرِ الأَحْمَسِيُّ صَاحِبُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يُقَالُ لَهُ الصُّنَابِحِيُّ أَيْضًا وَإِنَّمَا حَدِيثُهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ فَلاَ تَقْتَتِلُنَّ بَعْدِي"

سہیل بن ابی صالح سے انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

”جب مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے تو چہرہ دھوتے ہی اس کے چہرے کے سارے گناہ پانی کے ساتھ ہی یا جونہی پانی جدا ہوتا ہے جھڑ جاتے ہیں، اس کی آنکھوں کے گناہ بھی پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں، اسی طرح جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے تمام گناہ جن کا ارتکاب انہوں نے کیا ہوتا ہے وہ پانی کے ساتھ ہی یا پانی جب اعضائے وضو سے الگ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ گناہوں (صغیرہ) سے پاک ہوجاتا ہے"۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس حدیث کو مالک نے سہیل سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ سہیل کے والد ابوصالح یعنی ابوصالح سمان ہیں جن کا نام ذکوان ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے بعض نے عبدشمس اور بعض نے عبداللہ بن عمرو کہا ہے۔ اسی طرح محمد بن اسماعیل بخاری نے فرمایا اور یہ زیادہ صحیح ہے اس باب میں عثمان، ثوبان، صنابحی، عمرو بن عبسہ، سلمان اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی روایات ذکر کی گئی ہیں۔ صنابحی بھی وضو کی فضیلت کے حوالے سے نبی ﷺ کی حدیث روایت کرتے ہیں۔ یہ عبداللہ صنابحی ہیں اور صنابحی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ نبی ﷺ سے ان کا ڈائریکٹ سماع نہیں ہے۔ اور ان کا نام عبدالرحمٰن بن عیلۃ ہے اور ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے سفر کیا ہے، یہ ابھی راستے میں ہی تھے کہ نبی ﷺ کا وصال ہوگیا، انہوں نے نبی ﷺ کی بہت سی احادیث روایت کی ہیں اور صنابح بن اعسر احمصی کو صحابی ہونے کا اعزاز حاصل تھا ان کو بھی اسی طرح صنابحی کہا جاتا ہے، یہ بھی حدیث روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

"میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا، میرے بعد تم ایک دوسرے کو باہم قتل نہ کرنا"

فضل طہور کی فضیلت

اس باب میں وضو کی فضیلت بیان کی گئی لیکن باب کے عنوان میں وضو کی بجائے طہور کا کلمہ استعمال کیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جو گناہ وضو سے خارج ہوتے ہیں وہی گناہ تیمّم کرنے سے بھی جدا ہوجاتے ہیں۔ اسی حکمت کو مدنظر رکھتے ہوئے امام ترمذی نے وضو کی بجائے طہور کا کلمہ استعمال کیا۔

موطا اور مشکوٰۃ کے حوالے سے صنابحی کی مرفوع حدیث۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اختصار والی روایت کو بیان کیا ہے جب کہ موطا امام مالک اور مشکوۃ شریف میں حضرت عبداللہ صنابحی کی وضو کے حوالے سے تفصیلی حدیث موجود ہے۔ حدیث شریف کی تشریح سے پہلے وہ مرفوع روایت ملاحظہ ہو:

إذا توضَّأ العبدُ المؤمنُ فمضمض خرجت الخطايا من فيه، فإذا استنثر خرجت الخطايا من أنفِه فإذا غسل وجهَه خرجت الخطايا من وجهِه حتَّى تخرُجَ من تحتِ أشفارِ عينيْه فإذا غسل يدَيْه خرجت الخطايا

فإذا مسح رأسَہ خرجت الخطایا من رأسِہ حتّٰی تخرُجَ من أذنَیْہ، فإذا غسل رِجلَیْہ خرجت الخطایا من رِجلَیْہ حتّٰی تخرُجَ من تحتِ أظفارِ رِجلَیْہ، ثمَّ کان مشیُہ إلی المسجدِ و صلاتُہ نافلۃً لہ

''جب مسلمان بندہ وضو کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو خطائیں اس کے منہ سے نکل جاتی ہیں، اور جب ناک صاف کرتا ہے تو اس کے ناک سے گناہ خارج ہو جاتے ہیں، اور جب چہرہ دھوتا ہے تو چہرے سے اس کی خطائیں نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ گناہ اس کی پلکوں کے نیچے سے نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو گناہ اس کے ہاتھ سے حتی کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ سر پر مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر حتی کہ کانوں سے بھی خارج ہوجاتے ہیں، پھر جب وہ پاوں دھوتا ہے تو گناہ اسکے پاوں حتی کہ اس کے پاوں کے ناخنوں سے بھی نکل جاتے ہیں، پھر اس کا مسجد جانا اور نفل نماز ادا کرنا مزید درجات میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے''۔

اس حدیث کو موطا ملک، مشکوۃ، نسائی، بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

المسلم او المومن:

اس جملہ میں ''او'' کا کلمہ راوی کا شک بیان کرتا ہے۔ھذا شك من الراوی ،وکذا قولہ مع الماء او مع آخر قطر الماء (النووی) راوی کو شک ہے کہ مسلم کا کلمہ استعمال کیا گیا یا مومن کا راوی نے او کہہ کر اپنے شک کو بیان کیا ہے۔

خرجت من وجھہ کل خطیّۃ:

وضو کرنے سے گناہ ختم ہوجاتے ہیں یہاں پر محدثین اور ائمہ فقہاء نے یہ بحث کی ہے کہ صغیرہ گناہ یا کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں؟ زیادہ تر ائمہ کبار نے اسی مؤقف کو اختیار کیا ہے کہ اس سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہوتا ہے جب کہ کبیرہ گناہوں اور حقوق العباد کے لیے توبہ کرنا اور معافی مانگنا ضروری ہوتا ہے۔

وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے اور پانی بھی اپنا وجود رکھتا ہے۔گویا وجود رکھنے والی چیز کو مجسم چیز کے ساتھ ہی ختم کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں وضو کے ذریعے اپنی ظاہری و باطنی طہارت کی توفیق عطا فرمائے۔گناہوں کے مجسم ہونے پر حجر اسود کی مثال بھی سمجھی جاسکتی ہے۔ یہ بھی خطائیں کھینچ کر سیاہ ہوگیا۔

حدیث شریف میں بڑی دلچسپ بات بیان کی گئی ہے کہ وضو کرتے ہوئے پانی کے جسم سے جدا ہونے کے ساتھ گناہ بھی ختم ہوجاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے پانی میں یہ تاثیر رکھ دی ہے کہ اس سے گناہ ختم ہوتے ہیں خصوصا جب پانی کو وضو کی نیت سے جسم پر بہایا جائے۔

پروفیسر نصر اللہ معینی نے ایک جاپانی سائنسدان ڈاکٹر ایمانو کی کتاب The Message from Water کے حوالہ سے پانی کے متعلق حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں۔

پانی پر اللہ کا نام لینے سے اس کے مالیکیول کھل اٹھے جب کہ کفریہ اور ناشکری کے خرافات سے ان کے مالیکولز میں انقباض کی کیفیت پیدا ہوئی۔پانی کے سامنے محبت دوستی اور شکر گزاری کی باتوں سے انجماد کے بعد اس کی قلمیں بڑی خوبصورت نظر آئیں اور جب بری باتیں اور گندے الفاظ استعمال کیے گئے تو انجماد کے بعد اس کی قلمیں بے ڈھب اور بدصورت دکھائی دیں۔

ماہرین نفسیات

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ ہائی بلڈ پریشر کے مریض کو وضو کرواؤ پھر اس کا بلڈ پریشر چیک کرو لازماً کم ہوگا۔

مسلمان ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ نفسیاتی امراض کا بہترین علاج وضو ہے۔

وجدان اس بات کی طرف جا رہا ہے کہ گناہ اور نفسیاتی بیماریوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔گناہ کا ارتکاب اچھے بھلے انسان کو نفسیاتی مسائل کا شکار کر دیتا ہے۔جان کائنات ﷺ نے پاکیزگی، صفائی اور خصوصا وضو اختیار کرنے کو گناہوں کے خاتمے کا سبب بیان کرنا دیا ہے۔

صوفیاء کرام کا مشاہدہ

امام اعظم ابوحنیفہ نے ایک نوجوان کو وضو کرتے دیکھا تو فرمایا والدین کی نافرمانی سے توبہ کرو۔اس نوجوان نے عرض کیا میں نے رب کی بارگاہ میں توبہ کی۔ اسی طرح کسی کے غسل کا پانی دیکھا تو آپ نے فرمایا زنا سے توبہ کرو اس نے کہا میں نے بدکاری سے توبہ کی۔ایک اور شخص کے غسالہ کو دیکھا تو فرمایا شراب نوشی اور موسیقی سے توبہ کر۔اس نے اپنے گناہ سے توبہ کی۔

خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری

آپ فرماتے ہیں کہ جب طبیعت ذکر و عبادت کی طرف مائل نہ ہو تو وضو یا غسل کر لیا کرو۔وضو یا غسل کرنے سے طبیعت میں تازگی نشاط اور ایک خاص ذوق پیدا ہوجاتا ہے اور دل ذکر الٰہی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

اعضائے وضو کو دھونے کی سائنسی حکمت

وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے وہ عموما کھلے رہتے ہیں اور کھلے رہنے کی وجہ سے وہ دھول، مٹی، گرد، دھواں اور مختلف قسم کے جراثیم اور وائرس ان تک پہنچتے رہتے ہیں۔جب کہ پانی میں یہ خصوصیت ہے کہ جہاں وہ ظاہری گرد و مٹی کو صاف کرتا ہے وہی وہ نظر نہ آنے والے Germs جراثیم اور وائرسز کو ختم کرتا ہے۔

طبی ماہرین کے نزدیک نزلہ، آئی فلو، دمہ، ہیضہ، ہیپاٹائٹس اے وغیرہ کے Germs ہاتھوں سے وجود پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اگر ہاتھوں کو 3 بار اچھی طرح دھو لیا جائے تو یہ سب جراثیم ختم ہوجاتے ہیں۔دن میں پنجگانہ نمازوں کے لیے 5 بار وضو کرنے سے ہاتھوں کا دھونا جراثیم کے خاتمہ کا سبب ہوتا ہے۔آج کل ڈاکٹر حضرات کھانے کے بعد کھانے کے ذرات کی صفائی کے لئے دانت صاف کرنے اور ٹوتھ برش کے استعمال پر زور دیتے ہیں جب کہ چودہ سو سال پہلے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو سنت کے مطابق مسواک کے استعمال کا درس دیا ہے۔

اچھی صحت کے لیے پھیپھڑوں (Lungs) کو صاف ستھری ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔جو ہمیں ناک (Nose) کے ذریعے ملتی ہے، وضو میں ناک کو دھونے سے دھول اور جراثیم صاف ہوجاتے ہیں۔

ناک میں ایک (Microscopic) برش ہوتا ہے جس میں دکھائی نہ دینے والے ریشے (Bristles) ہوتے ہیں جو باہر سے حملہ کرنے والے جراثیم (Germs) کو ختم کر دیتے ہیں۔اسی طرح دفاعی وائرس کا بھی بہترین علاج ناک میں پانی ڈالنا ہے۔

چہرہ کا دھونا بھی مختلف بیماریوں سے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہے۔آنکھ کا پانی خشک ہو تو آنکھوں کی بینائی جانے کے خطرات پیدا ہوجاتے ہیں ماہرین آئی بھنوؤں کو بار بار پانی سے بھگونے کا مشورہ دیتے

ہیں۔وضو میں چہرہ دھونے سے آنکھوں کے اردگرد پانی سے بینائی جانے کے خطرات دم توڑ جاتے ہیں۔بازو کہنیوں سمیت دھونے سے قلب،جگر (Liver)اور دماغ کو قوت ملنے کے ساتھ ساتھ بہت سی نفسیاتی اور دماغی بیماریوں سے،بچاجاتا ہے۔

سر،کان اور گردن کا مسح کرنے سے دماغ،ریڑھ کی ہڈی،کانوں کی بہت سی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔Sun Stock،گردن کے بخار اور پاگل پن کے خطرات ٹل جاتے ہیں ۔اعصابی نظام (Nervous Systems)کو بھی طاقت ملتی ہے۔پاؤں کو دھونے سے ڈپریشن،نیند کی کمی،دماغی خشکی اور تھکان سے نجات ملتی ہے۔اعضائے وضو کو دھونے سے جہاں بہت سے صغائر معاف ہوتے ہیں وہاں بہت سی جسمانی بیماریوں سے بھی نجات ملتی ہے۔

کرونا وائرس

2019 کے آخر پر ایک وائرس جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔میڈیا نے خوب اس کا چرچا کیا۔اس کی علامات کی تشہیر کی گئی اور عالمی ماہرین میڈیکل سائنسز نے اس سے محفوظ ہونے کے لئے بار بار ہاتھ دھونے کی اپیل کی ۔Covid19 کے زمرے میں جب پانی کے استعمال ،صفائی کی ترغیب دلائی گئی تو ہم نے مدینہ طیبہ کا رخ کر کے طبیبوں کے طبیب کی بارگاہ میں سلام پیش کیا کہ جنہوں نے صدیوں پہلے ہی وضو کے ذریعے مختلف بیماریوں اور گناہوں سے محفوظ ہونے کا راستہ بتا دیا تھا۔

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

دلچسپ بات

گناہ کے لئے عام طور پر یہ کلمات استعمال کئے جاتے ہیں۔

ذنب 2۔خطیئة 3۔سیئہ 4۔معصیه

ہلکے درجہ کی خطاء اور گناہ کے لیے ذنب پھر اس سے بڑھ کر جو ہو اس کے لیے خطیئۃ اور پھر اس سے جو زیادہ ہو اس کے لیے سیئہ اور سب سے زیادہ شدت والا آخری درجہ ہے معصیہ یعنی کبیرہ گناہ۔

حدیث شریف میں ذنب اور خطیئۃ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔جس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔

صغیرہ گناہ نہ ہوں تو

ایک ایسا شخص جو صغیرہ گناہوں سے اپنے دامن کو بچاتا ہو یا کسی نیکی کی وجہ سے ختم ہو چکے ہوں یا توبہ کی وجہ سے معاف کر دئے گئے ہوں تو ایسے شخص کے وضو کرنے سے کبیرہ گناہوں میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

فضائل وضو

حدیث شریف میں وضو کی فضیلت بیان کی گئی کہ اس کی برکت سے گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے۔

احادیث شریف کی کتب میں مختلف احادیث فضائل میں نقل کی گئی ہیں ان میں چند احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم چند باتوں کو جان سکتے ہیں:

- وضو سے اگلے پچھلے گناہ معاف۔(البحر الذخار)
- وضو سے درجات بلند ہوتے ہیں۔(مسلم)
- سردی میں اچھی طرح وضو کرنے سے دوگناہ اجر ملتا ہے۔(المعجم الاوسط للطبرانی)
- قیامت میں اعضائے وضو چمکتے ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)
- تین تین بار اعضاء کا دھونا سنت اور چمک میں اضافے کا سبب ہے (مسند احمد بن حنبل)۔
- وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھنے سے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے۔(مسلم)
- وضو پر وضو کرنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ (ترمذی)
- بسم اللہ پڑھ کر وضو کرنے سے سارا بدن پاک ہو جاتا ہے (دار قطنی)۔
- منہ، ناک، چہرہ، ہاتھوں، سر، پاؤں کے گناہ جھڑ جاتے ہیں (مسلم)۔

نیکی اور گناہ کا مجسم ہونا

نیکی اپنا وجود رکھتی ہے۔نیکی کی طرح گناہ بھی مجسم ہوتا ہے۔قیامت میں اعمال کے وزن اور میزان کو اسی زمرے میں سمجھا جا سکتا ہے۔حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ بندہ گناہ کرے تو ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے۔اگر توبہ کرے تو دل کو صاف کر دیا جاتا ہے۔جب کہ استغفار نہ کرنے سے دل پر سیاہ نکتے لگتے لگتے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

نسائی اور ابن ماجہ کے حوالے سے حدیث شریف:

حضرت ابو ہریرہ نے کہا نبی ﷺ نے فرمایا:

”بے شک جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک کالا نکتہ لگ جاتا ہے پھر اگر وہ گناہ سے باز آ جائے ,توبہ کر لے تو اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے اور پھر گناہ کا اعادہ کرے تو سیاہ دھبے لگتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے“۔

ابن عباس فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حجر اسود جنت سے اترا تو دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا ابن آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا“۔

سورۃ المطففین کی آیت بھی ملاحظہ ہو:

کلابل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون

”نہیں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ آ گیا ہے اس کے سبب جو وہ کماتے تھے“۔(تذکرہ)

هذا حديث حسن صحيح:

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

صحیح حدیث کی خصوصیات یہ ہیں:

- حدیث متصل السند ہو یعنی کوئی راوی مس نہ ہو۔
- تمام راوی مکمل عدالت رکھتے ہوں۔
- ضبط اور حفظ میں بھی کامل ہوں۔
- روایت میں علت خفیفہ قادحہ نہ ہو،شاذ نہ ہو۔

اور حدیث حسن کے راویوں میں کوئی ضعیف الضبط ہو اور باقی ساری صحیح والی شرائط پائی جائیں جو کہ اوپر بیان ہوئی ہیں۔

امام ترمذی ایسی حدیث جس کے دو طریق ہوں بسند حسن اور بسند صحیح یعنی تعدد طرق کے لحاظ سے۔اس کو حدیث حسن صحیح کہتے ہیں۔اس بات کو امام نووی کے استاذ حافظ ابن الصلاح نے اختیار کیا ہے۔سیوطی نے صحیح کو سند سے اور حسن کو متن کے ساتھ جوڑا ہے۔ملا علی قاری فرماتے ہیں جب ایک محدث کے نزدیک حسن ہو اور دوسرے کے نزدیک صحیح ہو تو امام ترمذی ان کو جوڑ کر ایسا کہہ دیتے ہیں۔

والضابحی هذا الذی:

ضابحی تین ہیں جب کہ بعض کے نزدیک دو ہیں:

- عبداللہ ضابحی (فضل الطھور میں انہی کی روایت ہے)۔
- عبد الرحمٰن بن عسیلہ ضابحی (یہ تابعی ہیں یہ زیارت کے لیے آ رہے تھے ذوالحلیفہ پہنچے تو پانچ دن پہلے وصال ہو گیا ہے)۔
- ضابح بن اعسر (ان کو بھی ضابحی کہا جاتا ہے۔یہ بھی صحابی ہیں)۔

مسالك الحنفاء إلى مشارع الصلاة على النبي المصطفىٰ صلى الله عليه واله وسلم

ترجمہ وتحقیق: علامہ آصف محمود

قسط 3

حروفِ مقطعات پر مطلع کیے جانے کی تحقیق

حروفِ مقطعات: نقوش وافادات

قرآن حکیم کی انتیس سورتیں فواتح یعنی حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ ان میں ترتیب نزولی کے اعتبار سے القلم، ق، الاعراف، یٰسین، مریم، طٰہ، الشعراء، النمل، القصص، یونس، ہود، یوسف، الحجر، لقمان، مومن، حم السجدہ، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیہ، الاحقاف، ابرہیم، السجدہ، الروم، العنکبوت، سلسلہ وار یہ چھبیس سورتیں مکی اور البقرہ، آل عمران اور الرعد مدنی ہیں۔ ان حروف کے مفاہیم کے متعلق حتمی رائے پیش نہیں کی جاسکی۔ متقدمین ہوں یا متاخرین مجلس علماء ہوں یا طائفہ صوفیہ ہر ایک نے ان پر خامہ فرسائی فرمائی ہے لیکن تخمین کے ساتھ اور آخر میں یہ ضرور فرمایا ہے کہ اصل علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حروف کے متعلق مذکورہ بالا صفحات کے اندر چند صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے اقوال پیش فرمائے ہیں۔ ہم یہ چاہیں گے کہ اس پر چند زاویوں سے بحث کی جائے۔

ا۔ حروفِ مقطعات کی تعبیرات پر آراء

۲۔ حروفِ مقطعات کی اعجازی شان

حروفِ مقطعات پر آراء

ہر عہد کے اربابِ علم نے ان کی تعبیرات پر آراء پیش فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے نزدیک یہ اللہ ربّ العزت کے اسماء ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ دعا فرماتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ ''یا حم عسق''۔ حضرت سعید بن جبیر کے مطابق ان انفرادی الفاظ کو جوڑ کر اللہ ربّ العالمین کے اسماء بنائے جاسکتے ہیں لیکن ہم اس پر قادر نہیں۔ محمد بن سائب قتادہ اور سدی کے ہاں یہ قرآن مجید کے اسماء ہیں۔ خلیل و سیبویہ کی تحقیق کے مطابق یہ قرآنی سورتوں کے اسماء ہیں۔ حضرت ابن عباس کے اقوال کی روشنی میں ان میں سے ہر ہر حرف اللہ ربّ العالمین کے اسماء پر دلالت کرتا ہے جیسے ''الم'' میں الف سے مراد 'احد'، لام سے مراد 'لطیف'، اور میم سے مراد 'مجید'، اور 'منان'، ہے۔ اسی طرح ابن عباس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حروف اللہ ربّ ذُوالجلال کے اسماء وصفات پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے 'الم'، سے 'انا اللہ اعلم'، 'المص'، سے 'انا اللہ افصل'، اور 'الر'، سے 'انا اللہ اری'، مراد ہے۔ ساتواں قول یہ ہے کہ یہ حروف ربّ ذوالجلال کے افعال کی صفت پر دلالت کرتے ہیں جیسے 'الم'، میں الف سے 'آلآ''، یعنی اس کی نعمتیں 'لام'، سے اس کا لطف اور میم سے اس کا مجد یعنی بزرگی مراد ہے۔ امام فخر الدین رازی اور علامہ ابو حیان اندلسی کے مطابق آیات قرآنیہ کی جانب حصول توجہ کے لیے یہ حروف تنبیہہ ہیں۔ چاہے ان کے مخاطب مشرکین ہوں یا خود صاحبِ کتاب ﷺ کی ذات ہو۔ حروف مقطعات کی تعبیرات کے سلسلہ میں بھی ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف انفرادی طور پر اقوام وملل کی مدت حیات پر دلالت کرتے ہیں اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابویاسر بن اخطب، یہودی کے متعلق روایت کردہ قصہ اہل سیر کے ہاں نہایت معروف ہے، لیکن وہ محض تفنن طبع کے لیے کتب کی زینت ہے۔ علامہ بدر الدین زرکشی کی تحقیق ایک نئے زاویے پر لاکھڑا کرتی ہے۔ آپ کے مطابق جو سورت جس حروف سے شروع ہوئی ہے اس سورت میں اس فواتح کے کلمات بکثرت پائے جانے کا اشارہ ہے جیسے سورۃ ق کی آیات میں یہ حرف ق کثرت سے آیا ہے۔ سورۃ یونس الر سے شروع ہوئی اس سورت میں دوسواسی سے زائد آیات میں الر کے حروف آئے ہیں۔ سورۃ ص میں ص خصومت (باہمی تنازعہ) پر دلالت ہے۔ سواس سورت میں کفار کے ساتھ نبی ﷺ کی خصومت حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو افراد کا خصومت پر فیصلہ کرانے کے لیے آنا۔ اہل جہنم کی مخاصمت۔ ملأ اعلیٰ کا مخاصمہ، آدم علیہ السلام کے بارے میں ابلیس کا مخاصمہ وغیرہ ذکر ہوا۔ سورۃ ق میں بیشتر فواصل کا اسی وزن پر آنا اس قول کو تقویت دیتا ہے۔

حروفِ مقطعات کے متعلق سب سے معروف قول یہ ہے کہ ''لَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد مبارک ہے ''فِی كُلِّ كِتَابٍ سِرٌّ، وَسِرُّ اللّٰهِ تَعَالىٰ فِی الْقُرْاٰنِ اَوَائِلُ السُّوَرِ''۔ ہر کتاب میں کچھ اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں فوائح اللہ کے اسرار ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد الملک المقتدر کے کلام کے سامنے عاجزی کا عمدہ اظہار ہے اور مذکورہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی آراء بھی عطائے مصطفی کریم علیہ التحیۃ والتکریم کا ہدیہ ہیں۔ اسی خاطر ابن عطیہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ ''وَمَا يَعْلَمُ تَأوِيْلَهٗٓ اِلَّا

اللّٰہ“ کی تفسیر ”مَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ عَلَی الْکَمَالِ اِلَّا اللّٰہ“ یعنی ان متشابہات کی تاویل کا علمِ کامل فقط ذاتِ ذوالجلال کے پاس ہے۔ باقی جس نے جتنا سمجھا اور جانا اسے سمندر کے مقابل قطرے سے بھی نسبت نہیں۔

حروف مقطعات کی اعجازی شان

یہ امر مسلمہ ہے کہ مکی سورتوں کی ایک خصوصیت ان سورتوں کا اعجاز بیان ہے۔ جس ماحول میں قرآن اترا وہ عہد ادبیات عرب کا زرّیں عہد تھا۔ یہ بادیہ نشین فصاحت لسانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اور مکی اسلوب فصاحت قرآنی کا زندہ معجزہ بن کر نازل ہوا، یقیناً یہ حروف اس اسلوب کا آغاز ہیں۔ علامہ جار اللہ زمخشری (المتوفی: ۶۳۸ھ) لکھتے ہیں:

”یہ حروف گنتی کی طرح بیان کیے گئے ہیں جس کا مقصد لوگوں کو بیدار اور متنبہ کرنا ہے جنہیں قرآن اور اس کے عجیب و غریب نظم سے چیلنج کیا گیا اور انہیں اس بات پر غور کرنے کے لیے متوجہ کرنا ہے کہ ان کے سامنے تلاوت کیے جانے والا قرآن جس کا مثل پیش کرنے سے تمام کے تمام عاجز رہ گئے۔ انہیں حروف سے مرکب کلام ہے جس سے وہ اپنے کلام کو بناتے ہیں، تاکہ غور و فکر کے بعد انہیں یقین ہو جائے کہ طویل مراجعت کے بعد وہ قرآن کا مثل لانے پر قادر نہیں ہو سکے ہیں، حالانکہ وہ ماہرین کلام اور شہوارانِ خطابت ہیں اور خطبات، قصائد اور رجز کے فنون میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور قران میں جو جزالت، حسن نظم اور اعلیٰ ترین بلاغت پائی جاتی ہے۔ وہ فصحاء کی طاقت سے ماوراء ہے۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے“۔

فواتح کی تعبیر میں یہ قول نہایت قوی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسی کے مثل لکھا۔

اسی لیے ہر وہ سورت جس کا آغاز فواتح سے ہوا ضروری ہے کہ اس میں قرآن مجید کے لیے غلبہ و انتصار کا تذکرہ اور اس کا اعجاز و عظمت کا بیان ہو جیسے سورہ بقرہ میں ”الٓمّٓ“ کے بعد ”ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ o (البقرہ:۱،۲)“ وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں ڈر جانے والوں کو اس سے ضرور ہدایت ملتی ہے۔“ آل عمران میں ”الٓمّٓ“ کے بعد ایک آیت کا وقفہ دے کر ’نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ‘ (آل عمران:۱،۳)”اسی نے آپ پر کتاب کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا حق کے ساتھ۔“ سورۃ الاعراف میں ”الٓمّٓصٓ“ کے بعد كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ o (الاعراف:۱،۲)، ”آپ کی طرف ایک کتاب نازل کی گئی تو اس سے محبت کا اثر آپ کے سینے ہی میں نہ رہے اس لیے اس کے ساتھ ڈرسناؤ اور ایمان والوں کو نصیحت کرو۔“ سورۂ یونس میں الٓرٰ، کے بعد تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ o اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ

(یونس:۱،۲)

”یہ کتاب حکمت کی آیات ہیں کیا لوگوں کے لیے یہ بات باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک شخصیت باکمال کو وحی سے نوازا ہے کہ لوگوں کو خطرات زندگی سے آگاہ فرمائیں اور ایمان والوں کو خوشخبری دیں کہ ان کے لیے ان کے ربّ کے ہاں سچ کا مقام ہے کافر بولے بے شک یہ تو کھلا جادو ہے۔“ سورۂ ھود میں الٓرٰ کے بعد كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ (ھود:۱) ”اس کتاب کی آیات انتہائی پختگی کی حامل کردی گئی ہیں پھر حکیم و خبیر کی طرف سے انہیں واضح کر دیا گیا ہے۔“ سورۂ یوسف میں ”الٓرٰ“ کے بعد تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ o اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ o (یوسف:۱،۲) ”یہ اس کتاب کی آیات ہیں جن کا مدعا روشن ہے، بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم سمجھ سکو۔“ ”سورۃ الرعد“ میں ”الٓمّٓرٰ“ کے بعد تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ o (الرعد:۱) ”یہ آیات کتاب ہیں اور جو نازل ہوا تیرے ربّ کی طرف سے حق لیکن لوگوں کی اکثریت مانتی نہیں۔“ سورۂ ابراہیم میں ”الٓرٰ“ کے بعد کتاب كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (ابراہیم:۱) ”عظیم الشان کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی جانب نکالیں ان کے ربّ کے حکم سے غالب و حمید کے راستہ کی طرف۔“ سورۃ الحجر“ میں ”الٓرٰ“ کے بعد تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ o (الحجر:۱) ”یہ عظیم الشان کتاب اور روشن قرآن کی آیات ہیں۔“ سورۃ ”طٰہٰ“ میں ”طٰہٰ“ کے بعد ”۔۔۔۔ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤی اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی o (طٰہٰ:۱۔۲)“ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں مبتلا ہو جائیں، ہاں یہ نصیحت ہے ہر اس کے لیے جو ڈرے، اس کا اترنا اس کی جانب سے ہے جس نے زمین اور بلند تر آسمانوں کی تخلیق فرمائی۔“ سورۃ ”الشعرا“ اور سورۃ القصص میں ”طٰسٓمّٓ“ کے بعد تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ o یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں اور مزید اگلی آیات، سورۃ ”النمل“ میں ”طٰسٓ“ کے بعد تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍ o هُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ o (النمل:۱،۲) ”یہ آیتیں قرآن اور روشن کتاب کی ہیں، ہدایت اور بشارت ہیں مومنوں کے لیے۔“ ”سورۂ لقمان“ میں ”الٓمّٓ“ کے بعد تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ o هُدًی وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ o (لقمان:۱،۲،۳) ”یہ آیتیں ہیں کتاب حکمت سے، احسان کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں“۔ ”سورۃ السجدہ“ میں ”الٓمّٓ“ کے بعد تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ o (السجدہ:۱،۲) ”اس کتاب کا نزول کائنات کے پالن ہار کی طرف سے ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے“۔ سورۂ یٰسین میں یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ o اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ o عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ o تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ o (یٰسٓ:۱تا۵) ”قسم قرآن حکیم کی شک نہیں آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں، سیدھی راہ پر ہیں، یہ قرآن نازل کیا ہوا ہے عزت والے مہربان کا۔“ سورۂ ”صٓ“ میں ”صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ o بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ o (صٓ:۱،۲) ”قسم ہے قرآن کی جس میں ذکر ہے لیکن وہ لوگ جنہوں نے انکار حق کیا تکبر اور ضد میں گرفتار ہیں۔“ سورۃ ”المومن“ میں ”حٰمٓ“ کے بعد تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ

(المومن:۱،۲) ”یہ اللہ کی طرف سے کتاب کا نازل کرنا ہے وہ اللہ جو عزت والا اور خوب جاننے والا ہے“۔ سورۂ ”حٰمٓ السجدہ، میں ”حٰمٓ“ کے بعد تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (حٰم السجدہ:۱،۲،۳) ”رحمٰن مہربان کی طرف سے اتاری گئی یہ کتاب جس کی آیتیں انتہائی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، عربی زبان میں یہ قرآن جاننے والی قوم کے لیے ہے۔“ سورۃ الشوریٰ میں ”حٰمٓ عٓسٓقٓ“ کے بعد كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (الشوریٰ:۱،۲،۳) ”اس طرح وہ وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف اور ان لوگوں کے طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں اللہ عزت والا حکمت والا۔“ سورۃ ”الزخرف، میں ”حٰمٓ“ کے بعد وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الزخرف:۱،۲،۳) ”قسم ہے کتاب تابندہ کی، بے شک ہم نے قرآن کو عربی زبان میں رکھا تا کہ تم سمجھ سکو۔“ سورۃ الدخان میں ”حٰمٓ“ کے بعد وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ (الدخان:۱،۲،۳) ”اور قسم تابندہ کتاب کی بے شک ہم نے اسے برکتوں والی رات میں نازل کیا، بے شک ہم ہلاکت آفرین چیزوں کا علم دینے والے ہیں۔“ سورۃ ”الجاثیہ“ میں ”حٰمٓ“ کے بعد تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (الجاثیہ:۱،۲) ”یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔“ سورۃ ”الاحقاف“ میں ”حٰمٓ“ کے بعد تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (الاحقاف:۱،۲) ”نازل کی گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب سے زیادہ قوت والا اور بڑی حکمتوں کا جاننے والا ہے۔“ ”سورۂ ق“ میں قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ (ق:۱،۲) ”قسم عزت والے قرآن کی بلکہ ان کا تعجب اس میں ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک عظیم الشان ڈرسنانے والا آیا ہے، کافر بولے یہ عجیب شے ہے۔“ پس ان سب سورتوں میں قرآن کے لاریب و بے مثل ہونے، اس کی عظمت وجلالت اور من جانب اللہ ہونے کا بار بار ذکر ہے اور سورۂ ”ن والقلم“ میں فواتح کے بعد طویل مضمون میں آپ علیہ التحیۃ والثناء“ کی نبوت کی تصدیق و تعظیم کا بیان ہوا اور مکذبین کی مذمت نہایت شد و مد سے ذکر ہوئی۔

الغرض ان حروف کے آنے میں قرآن کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے، اور یہ کہ مخلوق اس جیسے کلام کے ذریعے اس کا معارضہ کرنے سے عاجز ہے، باوجودیکہ یہ قرآن بھی انہیں حروفِ مقطعات سے مرکب ہے جن سے وہ آپس میں کلام کرتے ہیں۔ اس مسلک کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مفاتیح الغیب میں مبرد اور محققین کی ایک جماعت سے نقل کیا اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فراء اور قطرب سے نقل کیا۔ اس کو علامہ زمخشری نے اپنی کتاب ”الکشاف“ میں بیان کیا اور اس کی مکمل تائید کی۔ یہی مسلک شیخ ابن تیمیہ اور حافظ مزی کا ہے۔

ان حروف کے اعجاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ابتدائی تین سورتوں کے اندر فواتح صرف ایک حرف سے آئے ہیں۔ ”ن، ق، ص“ جو حرف کے راز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، پھر طہٰ، النمل، المومن، حٰمٓ السجدہ، الزخرف، الدخان، الجاثیہ، الاحقاف، میں فواتح دو حروف سے پھر یونس، ھود، یوسف، ابراہیم، الحجر، الشعراء، القصص، العنکبوت، الروم، لقمان، السجدہ، یسٓ میں تین حروف، پھر الاعراف، الرعد میں چار حروف، مریم اور الشوریٰ میں پانچ حروف سے آئے ہیں۔ عربی زبان کے الفاظ بھی حروف کی انہیں تعداد پر مبنی ہیں اور عربی ادب میں کوئی بھی حرف اپنی اصل کے اعتبار سے پانچ حروف سے زیادہ نہیں ہوتا۔

زمخشری نے فواتح کے اعجاز کا ایک پہلو یہ بھی بیان فرمایا کہ:

حروفِ مقطعات تکرار کے بغیر کل چودہ ہیں جو حروف تہجی کا نصف عدد بنتا ہے اور وہ یہ ہیں ”الف، لام، میم، صاد، راء، کاف، ہاہ، ی، عین، طاء،، سین، حاء، قاف، نون“ پھر جب ان حروف کو انہی کی مختلف اجناس میں دیکھا جائے تو نتیجہ انتہائی حیران کن نکلتا ہے، مثلاً: حروفِ تہجی کا نصف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ حروف مہموسہ کا نصف ہیں جو کہ کل دس ہیں ان میں سے پانچ فواتح کے اندر ہیں۔ صاد، کاف، ھاء، سین، اور حاء۔ یہ حروف مجہورہ کا نصف بھی ہیں جو کہ کل اٹھارہ ہیں ان میں سے نو ان فواتح کے اندر ہیں۔ الف، لام، میم، راء، عین، طاء، قاف، ی، نون۔

حروفِ شدیدہ آٹھ ہیں۔ ان کا بھی نصف ان میں ہیں۔ الف، کاف، ھاء، قاف۔

حروفِ رخوہ بیس ہیں۔ ان کا بھی نصف فواتح میں ہیں۔ لام، میم، راء، صاء، ھاء، عین، سین، قاء، یاء اور نون۔

حروفِ مطبقہ چار ہیں۔ ان کا نصف بھی ان میں ہیں۔ صاء، طاء۔

حروفِ منفتحہ چوبیس ہیں۔ ان کا نصف بھی ان میں ہیں۔ الف، لام، میم، راء، کاف، ھاء، عین، سین، حاء، قاف، یاء، نون۔

حروفِ مستعلیہ کا بھی نصف ہیں۔ قاف، صاء، طاء۔

حروفِ منخفضہ کا بھی نصف ہیں۔ الف، لام، میم، راء، کاف، ھاء، یاء، عین، سین، حاء، نون۔

حروفِ حلقی کا بھی نصف ہیں۔ ھاء، عین، حاء۔

بقول امام باقلانی (المتوفی: ۴۰۳ھ) ان حروف کا ان وجوہ میں جنہیں علمائے لغت نے ایک زمانے کے بعد بیان کیا ہے۔ بقدر نصف آنا ان حروف کی اعجاز شان ہے اور ایسا ہونا بجز اللہ جل وعلا کے کسی سے ممکن نہیں اس لیے کہ یہ علم غیب کے قبیل سے ہے۔

حاصلِ کلام

فواتح کی ابتداء وحی کے آغاز میں سورۃ القلم سے ہوئی جو ترتیب نزولی کے اعتبار سے دوسری سورت ہے۔ مکی عہد کے وسط میں نازل ہونے والی سورتوں میں سورۃ ق سے سورہ قصص تک جو ترتیب نزولی میں ۳۴ سے ۴۹ نمبر پر نازل ہونے والی سورتیں ہیں کثرت سے فواتح آئے ہیں اور یہ وہ وقت تھا جب قرآن کے متعلق کفارِ مکہ کا مجادلہ شدت اختیار کر چکا تھا۔ اس وقت ضرورت تھی کہ انہیں مبارزت پیش کی جاتی کہ جس کے متعلق تمہاری لاف زنیاں حدیں عبور کر رہی ہیں پس لے آؤ اس کی مثل اگر تم سچے ہو۔ یہاں تک کہ مدنی عہد کے اوائل میں سورۃ بقرہ نازل ہوئی جس نے معجزے کی صداقت پر اتمام حجت کرنے کے بعد مجادلہ کو ختم کر دیا۔ اس لیے کہ وہ سب کے سب اپنے دعوے پر دلیل لانے سے عاجز آ چکے تھے، پھر

قرآن کی جس سورت میں فواتح سے آغاز ہوا اس میں قرآن کا من جانب اللہ ہونے اور مجادلین کے دعوؤں کا بطلان ضرور کیا گیا اور ان کے موقف کو امم سابقہ کے مثل قرار دیا گیا۔ جو آیات اللہ کا انکار کرتیں اور سفیران وحی کا مذاق اڑاتی تھیں، خصوصاً یہ وہ وقت تھا جب منکرین آیاتِ باری کی سرکشی عروج کو پہنچ چکی تھی۔ وہ قرآن کو قصص الاولین، اساطیر الاولین، سحر، اختراع، کہانت اور شاعری سے تعبیر کر کے استہزاء کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ قرآن نے انہیں یہ چیلنج دیا کہ یہ کتاب ان ہی حروف کا مجموعہ ہے جن سے تمہاری زبان حروف وکلمات کا پیرایہ اختیار کرتی ہے، پس تم اپنے تمام اعوان وانصار کو یکجا کر لو اور اس کی مثل لے آؤ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے ان حروف پر کوئی تبصرہ نہ کیا اور تاریخ بھی شاہد ہے کہ وہ ان حروف پر مطلق اعتراض نہ پیش کر سکے جبکہ یہ حروف ان کی لغت میں شامل تھے۔ وہی حروف جنہیں تنہا یا مرکب ٹکڑے ٹکڑے پڑھا جائے تو کوئی معنی نہیں دیتے لیکن جب آیات کی صورت متعین مقام پر لکھے جائیں تو ان کا معجزانہ بیان انہیں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کر دیتا تھا اور جس کی مثل لانے سے آج تک وہ قاصر رہے ہیں۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ

(ملخص از: جامع البیان، للطبری (۱/۱۶۷) اللباب فی علوم الکتاب لابن عادل دمشقی (۱/۲۵۶)، المحرر الوجیز، لابن عطیہ اندلسی (۲/۱۶۰) الکشاف، زمخشری (۱/۶۷) البحر المحیط، لابی حیان اندلسی (۲/۱۶۰) مفاتیح الغیب، رازی (۲/۳)، اعجاز القران للباقلانی، الاعجاز البیانی للقرآن الکریم للشاطی)۔

میں نے ابوبکر بن فورک (فاء کے پیش، واو کے سکون اور راء کے فتح کے ساتھ) کے جزء میں اس حدیث کو پڑھا:

حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمُ النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ، وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ (۱)

۱۔ سنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء (الحدیث: ۳۹۳۹)

"مجھے تمہاری دنیا میں سے عورتوں اور خوشبو سے محبت عطا کی گئی ہے اور نماز کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا گیا"۔

نسائی میں عِشرۃ النساء کے الفاظ بھی انس بن مالک t سے مروی ہیں اور اس سوال کا جواب جو یہ کہتا ہے کہ اس ارشاد مبارک میں صلاۃ سے کون سی صلاۃ مراد ہے کیا فرض صلاۃ یعنی نماز مراد ہے؟ اس بات میں اختلاف ہے، پس کہا گیا کہ اس صلاۃ سے مراد قراءت، رکوع اور سجود والی نماز۔ (صلاۃ ہے) اور یہ بھی کہا گیا کہ اس صلاۃ سے مراد جو صلاۃ آیت "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" میں ذکر ہوا وہ ہے۔ اللہ ربّ العالمین اور فرشتوں کے صلاۃ کے ذریعہ آپ ﷺ کی عزت وتکریم فرمائی گئی اور اُمت کو درود کا حکم دیا گیا اس طرح کہ اس کی ابتداء اپنی جنابِ اقدس سے کی اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی ثناء وتوصیف کرتے ہیں پس اس امرِ عظیم کا حکم ان کے اس فعل کی اتباع میں دیا۔

اللہ کی جناب سے صلاۃ رحمت ہے اور رحمت کا معنی انعام ومقاماتِ عظیمہ اور تکریماتِ عالیہ سے سرفراز فرمانا ہے۔ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم مقرر فرما دیا اور فرشتوں کو اس کے مثل درود بھیجنے کا حکم دیا تو اس سے یہ بات متحقق ہو گئی کہ اس صلاۃ سے مراد (نماز) نہیں اور اس پر اعتماد بھی ہو گیا اور اسی کو مقرر کر دیا گیا اور اسی درود سے آپ ﷺ کی چشمانِ نور (آنکھیں) ٹھنڈی بھی ہوتی ہیں، کیونکہ آپ علیہ التحیۃ والثناء کے لیے ربّ کریم کی بارگاہ سے رحمت جو اپنے تمام تر معانی کے ساتھ ہو سکتی ہے وہ آپ علیہ الصلوات والتسلیمات کے لیے ثابت کر دی گئی اور اس کی تمام تر نعمتیں وانعامات بدرجہ کمال آپ کو دیے گئے۔ احسانات کی کثرت اور اپنی تمام تر نصرتیں جنابِ رحمتِ دوعالم ﷺ کے دامنِ طلب میں ڈال دی گئیں۔

اور علماء میں سے چند نے یہ کہا ہے کہ حدیث مبارکہ میں قرۃ عینی کے اندر خوشبو اور عورتیں داخل نہیں (صرف صلاۃ داخل ہے) اگرچہ ان دونوں چیزوں کی محبت مجھے عطا فرمائی گئی البتہ جس چیز سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں یہ وہ صلاۃ ہے جس سے ربّ تعالیٰ نے مجھے مختص فرمایا اور ملائکہ کو اس کا حکم دیا اور جس چیز کا اُمت کو حکم دیا یہ وہ درود ہے جو وہ قیامت تک اپنی نمازوں میں مجھ پر پڑھتے رہیں گے۔ اس کے سوا اُن کے لیے نماز جائز نہیں اور اسی سے میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے اور اسی صلاۃ کے اندر میرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی۔ (حدیث مبارکہ کا مفہوم) اس بات پر ہمارے لیے دلالت کرتا ہے کہ یقیناً اسی صلاۃ میں آپ علیہ الصلوات والتسلیمات کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی نہ کہ یہ آپ ﷺ کا یہ دعویٰ ہے یا یہ کہ آپ ﷺ اس کی خواہش رکھتے ہیں بلکہ یہ تو جنابِ باری تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لیے ہدیہ ہے اور جب اس کے ذریعے آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی تو آپ ﷺ اس بات سے دور ہیں کہ آپ ﷺ خود پسندی یا غفلت کا شکار ہو کر لغزش کا ارتکاب کریں یا حق سے تجاوز کریں۔

المسلک العاشر

آیت درود پر کلام کا دسواں طریق

آیت درود پر سوال وجواب

(۱)...... آیت مبارکہ "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ" میں اللہ ربّ العزت کے دوسرے صفاتی اسماء کی بجائے ذاتی اسم مبارک کیوں ذکر ہوا؟

الجواب:

جمہور ائمہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا یہ اسم مبارک، اسم اعظم ہے اور اللہ ربّ العزت کے سوا کسی کا بھی یہ نام نہیں رکھا جا سکتا۔ اسی بات کا آیت قرآنی میں بطور تفسیر ذکر ہوا۔ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا o (مریم: ۶۵)

(۲)...... آیت مبارکہ میں لفظ "النبی" سے کیوں تعبیر کیا گیا۔ "عَلٰى مُحَمَّدٍ" کیوں نہ کہا گیا، جیسا کہ باقی انبیاء o کے اسماء ذکر ہوئے۔ جیسے آیات قرآنیہ میں

"يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ" (البقرہ: ۳۵)

"اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں پُرسکون رہو"۔

"اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا" (الصافات: ۱۰۴-۱۰۵)

"بے شک اے ابراہیم آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا"۔

"يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ" (ص: ۲۶)

"اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ قرار دے دیا"۔

"اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" (القصص: ۳۰)

"اے موسیٰ! بے شک میں جہانوں کا

پروردگار ہوں''۔

''یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ''

(آل عمران:۵۵)

''اے عیسیٰ میں ہی تمہیں پوری عمر تک پہنچانے والا ہوں''۔

الجواب:

آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کی شان و شوکت وکرامات کی طرف اشارہ ہے نیز ان خصوصیات کا ذکر ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام میں سے صرف ذات گرامی مرتبت کو عطا ہوئیں۔

کسی صاحب کلام کا کیا ہی خوبصورت کلام ہے۔

فَدَعَا جَمِیْعَ الرُّسُلِ کُلًّا بِاِسْمِہٖ...... وَدَعَاکَ وَحْدَکَ بِالرَّسُوْلِ وَبِالنَّبِیِّ

''پس ہر رسول کو اُس کے نام کے ساتھ پکارا اور آپ ﷺ کو تنہا رسول اور نبی کہہ کر پکارا''۔

اور وہ تمام مقامات جہاں آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے اسم گرامی ذکر ہوا وہاں صرف مصلحت کے تقاضے کے تحت ایسا ہوا (میں نے) اپنی کتاب ''المواہب اللدنیہ'' میں نہایت تحقیق وتفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔

(۳)...... آیت مبارکہ میں الرسول کی بجائے ''النبی'' سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

الجواب:

کیونکہ لفظ نبی معنی اور استعمال کے اعتبار سے عام ہے، حدیث مبارکہ میں اسی سے تعبیر کیا گیا...... ''اَنَا نَبِیُّ الرَّحْمَۃِ'' میں نبی رحمت ہوں۔(۱)

ا۔شرح السنۃ،حسین بن مسعود بغوی،المکتب الاسلامی،بیروت،۱۴۰۳ھ (۲۱۲/۱۲)(الحدیث:۳۶۳۱)

(۴)...... آیت مبارکہ میں ''یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ ''یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ'' کیوں نہ کہا گیا تاکہ کفار بھی اس خطاب میں شامل ہوتے کیونکہ صحیح قول کے مطابق وہ بھی فروع اسلام میں مخاطب کیے جاتے ہیں؟

الجواب:

(کفار کو اس لیے خطاب میں شامل نہیں کیا گیا) کیونکہ آپ ﷺ پر درود آپ ﷺ کے قرب کا ذریعہ ہے، جس سے صرف اہل ایمان کو ہی مخصوص کیا جاتا ہے اور امام بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے قول سے استثنیٰ کیا ہے کہ کفار مسائل فرعیہ میں مخاطب ہوتے ہیں۔

☆اس استثنا میں ان کے معاملات فاسدہ مقبوضہ

☆ان کے فاسد نکاح

☆شراب پینے پر حد کے جاری نہ کرنے کا استثنیٰ

اور ہر وہ خطاب جس میں ''یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے الفاظ ہوں اس میں کفار داخل نہیں ہوتے۔

(۵)......آیتِ مبارکہ میں ''اٰمَنُوْا'' کیوں کہا۔ اٰمَنْتُمْ کیوں نہ کہا گیا؟

''اٰمَنُوْا'' اس لیے کہا گیا تاکہ قیامت تک آنے والا ہر اہل ایمان اس میں داخل ہو جائے اگر صرف یہ کہا جاتا کہ ''اٰمَنْتُمْ'' تو عہد نبوی ﷺ کے مومنین ہی مختص ہو جاتے۔

(۶)......ان سوالات میں سے یہ بھی ہے کہ لفظ ''السلام'' کو مصدر ''وَسَلِّمُوْا'' سے ہی کیوں مؤکد کیا گیا؟ (الصلاۃ) کی تاکید کیوں نہ ذکر ہوئی؟

الجواب

لفظ سلام کی تاکید اس لیے کی گئی تاکہ یہ غلط فہمی نہ رہے کہ یہ واجب نہیں اور اسے لفظ صلاۃ کی تاکید سے مستغنی کر دیا گیا جیسے ارشاد...... ''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ'' پس (صلاۃ) کو انّ کے ساتھ مؤکد کیا وہ بھی صلاۃ پڑھتے ہیں لیکن ''اَلسَّلَامُ'' کو اس تاکید کے ساتھ منسلک نہیں فرمایا پس اسے مصدر کے ساتھ تاکید دی گئی اسی وجہ سے یہ مصدر اس تاکید کے قائم مقام ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے جیسے کہ ہمارے شیخ الحافظ شمس الدین السخاوی h کے کلام کی یہ تلخیص ہے۔

الفاظ میں سے لفظ ''صَلَاۃُ'' کی ''اَلسَّلَامُ'' پر تقدیم واقع ہوئی ہے، اور اس تقدیم سے خاص اہتمام ملحوظ خاطر رکھا گیا کہ لفظ ''السلام'' کو ''صَلَاۃُ'' کے بعد تاکید کے حسن سے ملحوظ کیا گیا اور ایسا مقام ذکر میں ہوا تاکہ ''السلام'' کے بعد میں آنے پر قلت اہتمام شان کا گمان نہ پیدا ہو جائے۔

(۷)...... آیت مبارکہ میں صلاۃ کی اضافت اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف کی گئی سلام کی نسبت و اضافت کیوں نہ کی گئی اور اہل ایمان کو سلام کا حکم ہی کیوں دیا گیا؟

الجواب:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا......اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ کہا جائے کہ ''السلام'' کے دو معنی ہیں:

(۱)التحیۃ (۲)انقیاد (یعنی اطاعت)

پس اہل ایمان کو ان دونوں (یعنی صلاۃ وسلام) کا حکم فرمایا گیا کہ یہ صلاۃ وسلام اُن کی طرف سے تو درست (قابل ثواب) ہوگا اور اللہ ربّ العالمین اور فرشتوں کی طرف سے اطاعت کی نسبت درست نہیں، پس اس ابہام کے دور کرنے کے سبب سلام کی نسبت اپنی طرف نہ فرمائی۔

(۸)...... یہ جو سوال کیا گیا کہ جب اللہ ربّ العزت اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں تو پھر ان پر ہمارے درود بھیجنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

الجواب:

آپ پر درود کا حکم ہمارے لیے اجر وثواب کے حصول کے لیے مشروع (مقرر) کیا گیا اور انہیں اپنے احسانات سے نوازنے کے لیے ایسا کیا گیا (کیونکہ) جو کچھ ہمارے اختیار میں ہے وہ دعا ہے۔

یا یہ اس لیے کہ صفحاتِ دہر میں آپ ﷺ کا ذکر احترام وتعظیم کے ساتھ باقی رہے اور دعا اس مقصد کے لیے وسیلہ وفضیلت ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ کو اس کی حاجت نہیں اور نہ ہی ربّ تعالیٰ کے صلاۃ کے ساتھ فرشتوں کے صلاۃ کی حاجت ہے۔ یہ تو ربّ ذوالجلال نے ہم پر واجب کیا ہے کہ ہم آپ ﷺ کا ذکر مبارک کریں اگرچہ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت نہیں۔ یہ محض ہم پر آپ ﷺ کی عظمت کے اظہار اور ہماری خیرخواہی کی خاطر ہے نہ کہ اس سے ذات باری تعالیٰ کا مقصود آپ ﷺ کو کچھ فائدہ دینا ہے۔ وہ ذات اس سے بہت بلند ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ''یَا اَیُّہَا النَّاسُ، اِنَّ اَنْجَاکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ اَہْوَالِہَا وَمَوَاطِنِہَا اَکْثَرُکُمْ عَلَیَّ صَلَاۃً فِیْ دَارِ الدُّنْیَا، اَنَّہٗ قَدْ کَانَ فِی اللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ کِفَایَۃً اَنْ یَّقُوْلَ: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ''(۱)

(ا۔الترغیب والترہیب،اسماعیل بن محمد ابوالقاسم التیمی، دارالحدیث، القاہرہ،مصر،۱۴۱۴ھ (۲/۳۱۷)، (الحدیث:۱۶۶۷)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" اے لوگو! تمہارے اس جہان میں پڑھا ہوا درود ہی قیامت کے دن کے احوال و مقامات کی شدت سے تمہیں نجات عطا فرمائے گا۔ یقیناً اللہ ربّ العزت کا یہ ارشاد "اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" اور فرشتوں کا اس پر عمل تمہارے لیے کفایت کرتا ہے۔""

پس اہل ایمان کو اس کا حکم دیا گیا تا کہ وہ اس میں مشابہت اختیار کریں۔

ابوالقاسم تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ترغیب میں روایت کیا ہے اور ان سے ابن عساکر اور خطیب (بغدادی) نے نقل کیا، ابن بشکوال کے طریق سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ امام الدیلمی نے مسند الفردوس میں ابن لال کی سند سے اسے نقل کیا۔ اس کی سند نہایت ضعیف ہے۔

ابن عباس سے "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ" کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

اَلتَّحِيَّاتُ: اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ "بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔" وَالصَّلَوَاتُ: صَلَاةُ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ (۱)

۱۔ النکت والعیون، للماوردی (۱۳۱/۳)

اس پر رحمت جس نے آپ پر درود بھیجا اور وہ اعمال جو اللہ کے لیے کیے گئے پاک ہیں۔

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ"

اللہ ربّ العزت کی جانب سے ہم پر فرض کیا گیا کہ ہم اپنے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھیں اور ہمارا سلام ہو بے حد سلام ان پر۔

آپ نے باقی کلمات تشہد کی بھی اسی کی مثل تفسیر فرمائی۔ اس تفسیر کو ابن بشکوال نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۲)

(۲۔ القربۃ الی ربّ العالمین، لابن بشکوال (ص:۱۳۶) (الحدیث:۸۵)

حضرت ام انس اپنے والد سے روایت کرتی ہیں (صحابہ کرام [نے عرض کی) اے اللہ کے نبی کیا آپ ﷺ نے اللہ ربّ ذوالجلال کا یہ ارشاد مبارک دیکھا ہے......

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ......"

پس آپ نے ارشاد فرمایا:...... "بے شک یہ آیت علم کے محفوظ (خزانوں) میں سے ہے اگر تم مجھ سے سوال نہ کرتے تو میں تمہیں اس کی خبر نہ دیتا۔ بے شک دو فرشتے میری (بارگاہ کی) طرف مقرر کیے ہوئے ہیں جب کسی شخص کے پاس میرا ذکر ہوتا ہے اور وہ شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو یہ دونوں فرشتے کہتے ہیں...... "اللہ تجھے معاف فرمائے"۔

اللہ ربّ ذوالجلال فرشتوں کی دُعا پر فرماتا ہے......"آمین"

"اور جب میرا ذکر کسی بندے کے پاس ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو یہ دونوں فرشتے کہتے ہیں...... "اللہ تجھے معاف نہ فرمائے"

اللہ ربّ ذوالجلال ان فرشتوں کی دعا کے جواب میں فرماتا ہے...... "آمین"

اس روایت میں حکم ابن خطاف راوی ہے۔ امام حاکم اور ابو حاتم نے کہا یہ کذاب ہے۔

سفیان سے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ کے متعلق سوال ہوا۔ آپ نے فرمایا اللہ ربّ العزت نے اُمت محمدی ﷺ پر کرم فرمایا اور اُن پر ایسے رحمت نازل فرمائی جیسے انبیاء کرام علیہم السلام پر درود (رحمت) نازل فرمائی، پس ارشاد فرمایا "هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ (الاحزاب:۴۳) اور یہ کہا گیا کہ اس بات کو آل پاک پر درود بھیجنے کا وسیلہ اور تسلسل بنایا اور اس بات کا رد کیا گیا کہ وسائل مقاصد کا غیر ہوتے ہیں اور اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا سب سے تاکید والا اور افضل تر عمل ہے۔

پس یہ لازم ہے کہ ہم آپ پر صرف دعا کے ارادہ سے درود بھیجیں یا آپ کی آل پر صلاۃ بھیجیں اور اس (صورت) میں اس کے اندر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔

(۹)...... (امام فیروز آبادی نے) کتاب "الصِّلَاتُ وَالْبُشَر" میں کہا ہے کہ ہماری دعا اور سوال سے آپ کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ یعنی یہ جو احادیث مبارکہ میں، وسیلہ اور بلند درجات کی دعا کا بیان ہے جبکہ اللہ ربّ العزت نے یہ تمام کرامات عالیہ سے آپ کو پہلے ہی نواز رکھا ہے (۱)۔

۱۔ الصلات و البشر فی الصلاۃ علی خیر البشر ﷺ، فیروز آبادی ۱۴۰۵ھ (۸۹)

الجواب: اس دعا میں اس بات کا احتمال ہے کہ جب بندہ مومن آپ ﷺ کے لیے دعا کرتا ہے (یعنی صلاۃ بھیجتا ہے) تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور نبی کریم ﷺ کے درجات و مراتب میں مزید ترقی و رفعت آتی ہے، لہٰذا آپ ﷺ پر درود بھیجنا ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ہے اور یہ آپ ﷺ کے حقوق میں سے ہے اور ایسا عمل یقیناً بارگاہ ایزدی میں سرکارِ دوعالم ﷺ سے قربت میں اضافے کے لیے ہے اور اس میں کوئی رائے نہیں کہ اللہ ربّ العالمین صالحین اُمت، ملائکہ اور اپنے بندوں کے درود کے سبب نبی رحمت کے درجات اور مقامات عالیہ میں مزید ترقیاں عطا فرماتا ہے۔ (ملائکہ و صالحین اُمت کے درود کے سبب) اس کی دعا اور مناجات کے واسطہ سے آپ کے اعمال میں کثرت ثواب اور مراتب میں مزید بلندیوں سے نوازتا ہے بے شک ربّ العالمین کی صفات غیر متناہی ہیں، ان کا مقابلہ ناقص اور قلیل الصفات نفوس سے ممکن نہیں۔

توضیح

ذات باری اپنی صفات کاملہ کے سبب اپنی کوئی مثال نہیں رکھتی۔ ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوری:۱۱) پھر فرمایا...... وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص:۴)

خدا کی ذات کے بعد عالم وجود میں سید المرسلین ﷺ سے بزرگ ذات کسی کی نہیں۔

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

اللہ ربّ العزت کی صفات لامتناہی ہیں اور رسول رحمت ﷺ کی صفات مخلوق کے مقابلے میں غیر متناہی ہیں جبکہ ذات باری تعالیٰ کے مقابل متناہی ہیں۔ ملائکہ اور اُمت کا درود آپ کو ربّ ذوالجلال کے قرب کی مزید منازل کے حصول میں مدد و معاون ہے۔ ربّ کریم کے درجات عالیہ کی کوئی حد نہیں پس یہ درود و سلام سرکارِ دوعالم کو اپنے ربّ کے قریب سے قریب کرنے کی دعا و مناجات ہیں۔ جب خدائے بزرگ و برتر کے مقام کی کوئی حد نہیں تو رسولِ کریم ﷺ اس درود و سلام کے انوار سے اُن مقامات کی رفعتوں کو درجہ بدرجہ پاتے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے۔

بقیہ آئندہ

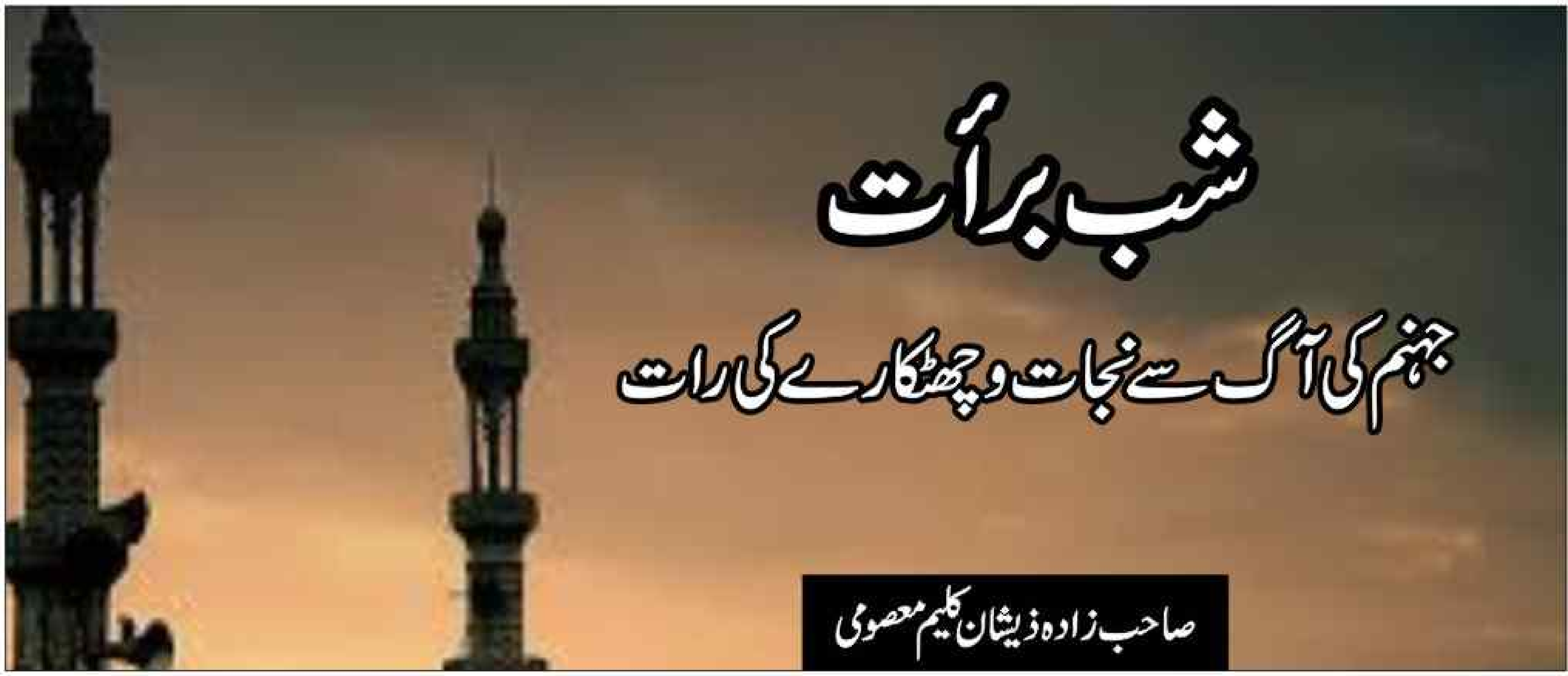

شب برائت

جہنم کی آگ سے نجات وچھٹکارے کی رات

صاحب زادہ ذیشان کلیم معصومی

شعبان میرے آقا نبی پاک ﷺ کا ماہ مقدس ہے اللہ کریم اس ماہ منور میں رحمت کے تین سو دروازے کھول دیتا ہے اور سرکار دوعالم اس ماہ منور میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے اس ماہ کی چودہ اور پندرہ تاریخ کی درمیانی شب کی بہت بڑی فضلیت ہے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ قسم ہے کتاب مبین کی جسے ہم نے نہایت بابرکت رات میں اتارا نیز ہمارا مقصود انسانیت کو باخبر کرنا ہے اور اس رحمت والی رات میں ہر حکمت ودانائی کا معاملہ طے کیا جاتا ہے احادیث نبوی میں بھی اس شب کے بہت فضائل آئے ہیں چنانچہ یار غار رسول ﷺ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! شعبان کی پندرھویں رات کو عبادت کے لیے جاگتے رہو اور اس کامل یقین سے ذکر فکر میں مشغول رہو کہ یہ ایک مبارک رات ہے اور اس رات میں مغفرت چاہنے والوں کے جملہ گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ جب شعبان کی درمیانی رات آئے تو رات کو جاگتے ہوئے قرآن حکیم کی تلاوت کی جائے اور نوافل میں مشغول ہوا جائے ورزہ رکھا جائے کیونکہ اس رات اللہ اپنی صفات رحمن رحیم، تواب، اور رؤوف کے ساتھ انسانیت کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور خدا کا منادی پکار رہا ہوتا ہے کہ ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کر دوں ہے کوئی سوال کرنے والا کہ میں اس کا سوال پورا کر دوں ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے حلال وافر رزق عطا کر دوں اور یہ صدائیں صبح تک جاری رہتی ہیں چنانچہ غنیۃ الطالبین میں ہے حضرت ام المومنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے بارگاہ رسالت میں ﷺ عرض کیا یارسول اللہ! ماہ شعبان میں آپ روزے رکھتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا عائشہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ باقی کے عرصے میں مرنے والوں کے نام ملک الموت کو لکھ کر اس ماہ میں دے دیے جاتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ جب میرا نام دیا جانے لگے تو میں حالت روزہ میں ہوں آپ پھر فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات سرور کونین ﷺ کو نہ دیکھا تو بقیع پاک میں مجھے آپ مل گئے آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس بات کا ڈر تھا کہ اللہ اور اللہ کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خیال کیا تھا کہ شاید آپ ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف نہ لے گئے ہوں تو میرے آقا نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے پس قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ اللہ گنہگاوروں کو بخش دیتا ہے کتابوں میں لکھا ہے کہ قبیلہ بنی کلب قبائل عرب میں سب سے زیادہ بکریاں پالتا تھا مگر کچھ بدنصیب ایسے بھی ہیں جو آج کی مقدس رات بھی نہیں بخشے جاتے اور وہ یہ ہیں:

ا۔شراب کا عادی ۲۔زنا کا عادی
۳۔ماں باپ کا نافرمان ۴۔قطع تعلق کرنے والا
۵۔فتنہ باز ۶۔چغل خور

ایک روایت میں فتنہ باز کی جگہ تصویر بنانے والا بھی آیا ہے اور بعض روایتوں میں کاہن، جادوگر، سود خور، بھی اس رات مغفرت کی سعادت سے محروم رہتا ہے چنانچہ جو مسلمان ان گناہوں میں ملوث ہوں تو وہ اس شب کے آنے سے پہلے ہی سچی توبہ کر لیں اور اپنے تمام معاملات درست کر لیں غنیۃ الطالبین میں روایت کردہ ایک اور بھی طویل حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا کہ اس رات میں سال بھر میں پیدا ہونے والے ہر بچے کا نام لکھا جاتا ہے اسی رات مخلوق کا رزق تقسیم ہوتا ہے۔ اسی رات ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اسی رات مخلوق کی عمر ان کی روزی اور حاجیوں کے نام بھی لکھے جاتے ہیں اور بہت سے کفن دھل کر تیار رکھے ہوتے ہیں مگر کفن پہننے والے بازاروں میں گھوم رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی قبریں کھدی ہوئی تیار ہوتی ہیں مگر ان میں دفن ہونے والے خوشبو میں مست ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہنس رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کی ہلاکت کا وقت قریب آچکا ہوتا ہے۔ بہت سے مکانات کی تعمیر کا کام مکمل ہونے والا ہوتا ہے مگر مالک کی موت کا وقت بھی قریب آچکا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا یہ رات بہت ہی اہم رات ہے جس میں ہمارے اعمال نامے بارگاہ خداوندی میں پیش بھی ہو رہے ہوتے ہیں اور ہماری زندگی، موت، رزق، اولاد غرض کہ آنے والے سال کا ہمارا ہر ہر فیصلہ خدا پاک اس رات میں فرما دیتا ہے اور ہم کتنے بدنصیب کہ یہ رات بھی دنیا کی غفلت میں گزار دیتے ہیں۔

اس رات کی فضیلت کے لیے غنیۃ الطالبین کا ایک واقعہ قارئین کی نظر کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کا ایک بار ایک پہاڑ پر گزر ہوا اور وہاں آپ کی نظر ایک بہت بڑے سفید پتھر پر پڑی آپ اس پتھر کو حیرت سے ملاحظہ فرما رہے تھے کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل کی کہ اس سے بھی عجیب تر چیز آپ پر ظاہر کروں؟ لہٰذا وہ پتھر شق ہوگیا اور اس میں سے ایک بزرگ اپنے ہاتھ میں سبز عصاء لیے باہر نکل آئے پتھر کے اندرونی حصے میں انگوروں کی بیل کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگے مجھے روزانہ رزق اس سے ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا آپ اس پتھر کے اندر کتنے عرصے سے اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں، عرض کیا چار سو سال سے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! میرا گمان ہے کہ اس بندے کی طرح تو کسی نے بھی عبادت نہیں کی ہوگی۔ اللہ نے وحی فرمائی کہ (میرے محبوب ﷺ) کے امتی کا شعبان کی پندرھویں رات میں دو رکعت نماز پڑھ لینا اس کی چار سو سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اس رات صرف دو رکعت کا اجر و ثواب چار سو سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے تو جو مسلمان پوری رات اس شب مبارکہ عبادت کرتا ہوگا اس کو جو اجر و ثواب ملے گا اس کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ رات انعامات سبحانی عنایات ربانی مسرت جاودانی اور تقسیم قسمت انسانیت کی رات ہے اس رات گناہ گاروں کی مغفرت ہوتی ہے مجرموں کی معافی ہوتی ہے خطا کاروں کی برأت ہوتی ہے اور یہ شب ریاضت مراقبہ و احتساب اور تسبیح و تلاوت کی رات ہے خواجہ خواجگان سلطان الہند عطائے رسول حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری سے مروی ہے کہ آپ اس شب اپنے لاکھوں مریدوں کے ہمراہ کثرت سے درود پاک کا ورد فرماتے اور وعظ کرتے۔ رات کے آخری لمحات میں آپ تہجد ادا کرتے جس میں سورۂ یٰسین کی تلاوت فرماتے تھے۔ امام الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی فرماتے کہ اولیاء کاملین اور مشائخ شریعت و طریقت اس مبارک رات کو جلالتِ شان اور عظمت مقام کے پیش نظر مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں:

۱۔ لیلۃ الرحمۃ ۲۔ لیلۃ المبارکہ
۳۔ لیلۃ البرارۃ ۴۔ لیلۃ الصلہ

یہ پورا ماہ ہی عظمت والا ہے شب برأت کا مطلب جہنم کی آگ سے نجات پانے کی برأت پانے کی شب ہے جبکہ ہم یہ مقدس رات آگ سے نجات پانے کی بجائے آگ میں کھیلتے ہیں اپنے مال کو ہم خود آتشبازی کا سامان خرید کر اپنے ہاتھوں سے آگ لگا رہے ہوتے ہیں اور اس مقدس رات کا تقدس ہم پامال کرتے ہیں ہمارے لئے یہ بہت دکھ کی بات ہے اور یہ آتش بازی نمرود کی ایجاد ہے جب اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا اور جب آگ حکم خداوندی سے گلزار ہوگئی تو اس کے آدمیوں نے آگ کے انار بھر کر ان میں آگ لگا کر اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پھینکے آتش بازی بنانا، بیچنا، خریدنا، چلانا سب شیطانی کام ہیں اور حرام و ناجائز ہیں اور ہم کتنے بدنصیب ہیں یہ کام جو پہلے سے حرام و ناجائز ہیں۔ ہم اتنی مقدس شب یہ کام کرکے خدا کو ناراض کرنے کا کام خود کرتے ہیں۔ خدارا ہوش کے ناخن لیں اور اس رات اپنے ربّ کو ناراض کرنے کی بجائے منانے کی کوشش کریں۔

یہ رات سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے اس شب میں اللہ اپنے بندوں پر رحمت فرماتا ہے یہ خیر و برکت اور برکات و حسنات کے نزول کی رات ہے اللہ اپنے بندوں پر عطاؤں کی بارش فرماتا ہے اور ہر جاگنے والے ہر مانگنے والے اور ہر ہر سائل کو اس کی طلب سے سوا نوازتا ہے اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس شب کی برکات سے مستفید ہوتے ہیں۔ شعبان کی چودہ تاریخ بعد نماز مغرب دو رکعت نماز پڑھے ہر دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ حشر کی آخری تین آیات ایک ایک مرتبہ اور سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے۔ ان شاء اللہ یہ نماز گناہوں کی معافی کے لیے بہت افضل ہے۔ اسی طرح اسی رات دو رکعت نماز پڑھیں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی، ایک بار سورۂ اخلاص پندرہ پندرہ بار بعد سلام کے درود پاک ایک سو بار پڑھ کر ترقی رزق کی دعا کریں اس نماز کی برکت سے رزق میں ترقی ہوگی اس رات دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھیں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس دس بار سورۂ اخلاص پڑھیں یہ نماز بہت افضل ہے۔ اس کے علاوہ صلوٰۃ التسبیح بھی لازمی پڑھیں اس کی بھی بہت فضیلت ہے۔

آیئے آج کی رات اپنے اللہ سے عہد کریں کہ ہم بہت گناہ گار ہیں ہم تجھ سے سچی توبہ کرتے ہیں ہمارے تمام گناہ معاف فرما دے۔ آج کی رات اور اپنے محبوب دوعالم ﷺ کے صدقے ہم پر اپنا رحم و فضل فرما۔ ہمارے وطن عزیز پاکستان اور کل عالم اسلام کی حفاظت فرما۔ ہم کو فرقہ واریت اور دہشت گردی سے بچا اور آنے والے سال میں تو جو آج کی رات ہمارا فیصلہ کرے اسے ہمارے حق میں بہتر فرما۔ قارئین کرام آج کی رات جتنا زیادہ ہو سکے عبادت کریں اور جہاں اپنے لیے دعا مانگیں وہاں ادارہ اس کے کارکنان اور میرے والدین کے لیے اور میرے بھائی اور میرے لیے بھی ضرور دعا کریں اور جو اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے ان کو آج کی شب اپنی دعاؤں میں نہ بھولیے گا۔ آج کی رات قبرستان جانا بزرگوں کی زیارت کرنا صدقہ خیرات کرنا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوش دلی کا مظاہرہ کرنا مستحب اور خیر و برکت کے امور ہیں۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔

دعائے صحت کی اپیل

بزم المعصوم کے مرکزی سیکرٹری جنرل، اسلامک کالم نگار صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی پچھلے دنوں ایک حادثہ میں زخمی ہوگئے تھے۔ قارئینِ دلیلِ راہ سے ان کی صحت کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

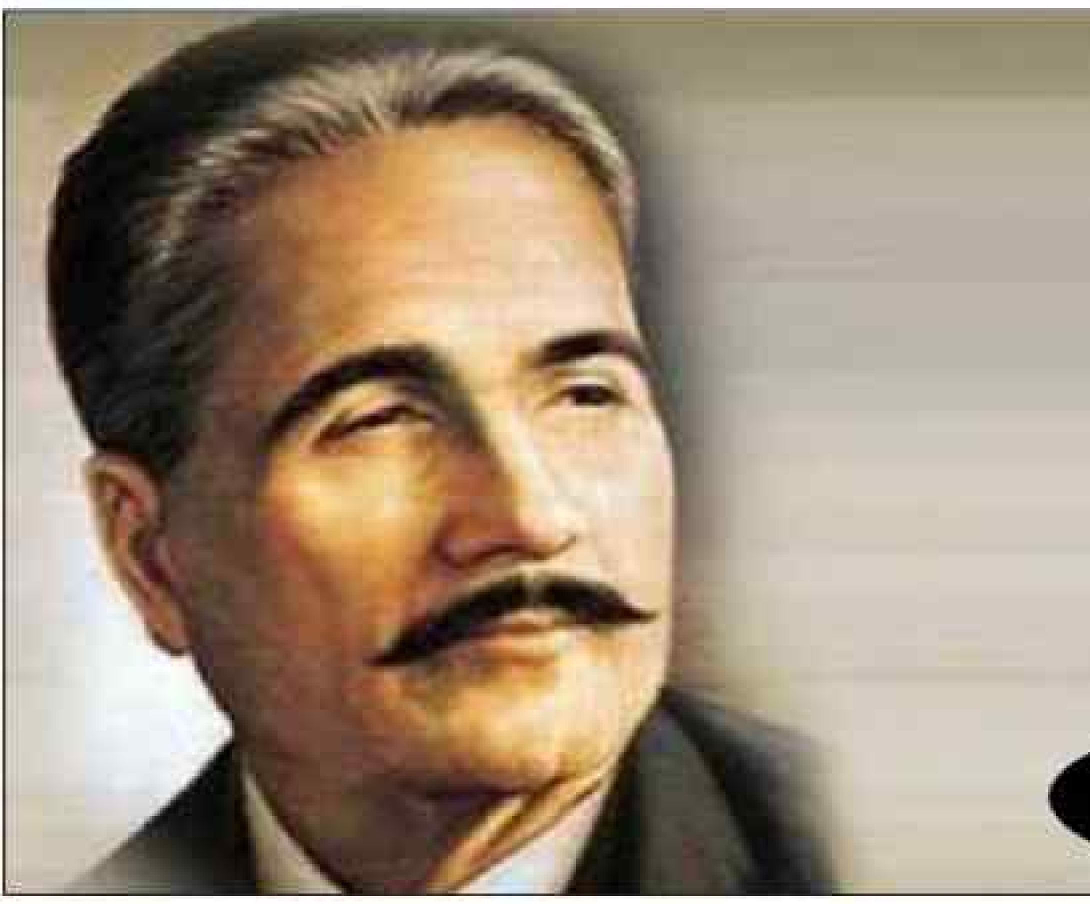

علامہ محمد اقبال کی اولیائے کرام سے عقیدت

محمد یوسف حضوری

شاعرِ مشرق، درویش لاہوری حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال (1877, 1938) کو جملہ اولیائے کرام سے بے حد عقیدت تھی۔ آپ نے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (971-1034) کے مزار اقدس پر نہ صرف حاضری دی بلکہ آپ کے حضور تاریخی نذرانۂ عقیدت بھی پیش کیا۔ حضور سیدنا علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش کے مزار اقدس پر حاضری تو ان کا شب و روز معمول تھا۔ آپ نے بہت عرصہ تک آستانہ ہجویر پر حاضری دی اور اسی دوران آپ کو تخلیق پاکستان کا تصور بھی القا کیا گیا۔ علامہ محمد اقبال کے تین دہائیوں سے زائد رہنے والے خاندانی خدمت گار میاں علی بخش کو بھی ایسے ہی ایک واقعہ پر سند کی حیثیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین بھٹی چشتی گولڑوی (م مارچ 1987ء) علاقہ حافظ آباد کی انتہائی مشفق دینی سیاسی سماجی شخصیت تھے۔ 30 مارچ کو واصل بحق ہوئے تو 5 اپریل کو آپ کی اہلیہ محترمہ بھی ان سے جا ملیں۔ 2 اپریل کو مقامی جامع مسجد چشتیہ قادریہ محلّہ ڈھاب میں ختم قل شریف میں جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی سیکرٹری جنرل، مجاہد ملت مولانا محمد عبد الستار خان نیازی (1915ء۔ 2 مئی 2001ء) بھی تشریف لائے۔ قائدین جمعیت کا تنظیمی سلسلہ میں حافظ آباد جانا رہتا تھا۔ اسی دوران ڈاکٹر محمد حسین بھٹی مرحوم نے مولانا عبد الستار خان نیازی کو علامہ محمد اقبال کے متعلق ان کے خادم خاص میاں علی بخش کی زبان سے سنا ہوا ایک ارمانی واقعہ سنا دیا جو مولانا نیازی نے ڈاکٹر صاحب کے ختم قل پر بیان کر دیا۔

ہوا یوں کہ علامہ محمد اقبال کے خادم خاص میاں علی بخش، علامہ اقبال کے وصال 21 اپریل 1938ء کے بعد ممتاز مقامی مسلم لیگی راہنما ملک علی بہادر اعوان مرحوم (م 1975ء) کے ڈیرہ پر محلّہ گڑھی اعوان تشریف لائے تو ڈاکٹر محمد حسین بھٹی مرحوم نے میاں علی بخش مرحوم سے علامہ اقبال کا کوئی واقعہ سنانے پر اصرار کیا تو علی بخش نے بتایا کہ میں لوگوں کو علامہ کے بے شمار واقعات سنا چکا ہوں۔ مگر یہ واقعہ میرے گوشۂ دل میں امانت ہے جس کا مجھ سے علامہ اقبال نے ان کی زندگی میں کسی سے بھی ہرگز بیان نہ کرنے کا وعدہ لے رکھا تھا۔ آج چونکہ علامہ ظاہری طور پر اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ واقعہ میں آپ کو سنائے دیتا ہوں۔

میاں علی بخش نے بتایا کہ ہم لوگ فلیمنگ روڈ (میکلورڈ روڈ) کی کوٹھی پر رہائش رکھتے تھے کہ ایک رات کو نصف شب تک بھی علامہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ اسی کرب میں اچانک ہمارے مکان کا دروازہ کھٹکا تو ایک بڑے وجیہہ خوب صورت نورانی روحانی شخصیت تشریف لے آئے۔ علامہ اقبال نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ کمرے میں لا کر پلنگ پر بٹھایا اور خود نیچے بیٹھ گئے۔ مختلف قسم کی راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد علامہ اقبال کو حق میزبانی کا خیال گزرا۔ آپ سے پوچھا کہ حضور! ٹھنڈا پئیں گے یا گرم؟ مہمان شخصیت نے اس رات گئے تکلف کرنے سے گریز کیا۔ علامہ کے اصرار پر وہ لسی پینے پر راضی ہو گئے۔ علامہ اقبال نے مجھے جگ تھما کر لسی لانے کا حکم دیا، آدھی رات کے وقت لسّی 1 کلومیٹر دور ریلوے اسٹیشن یا تین چار کلومیٹر دور بھاٹی چوک سے ملنا متوقع تھی۔ میں جونہی سڑک پر آیا تو موٹر سائیکلز مارکیٹ کی دکانوں کی جگہ پر حلوائی کی ایک خوبصورت دکان نظر آئی۔ میں متجسس نظروں سے دکان کی طرف جھکا تو انہی مہمان کی طرح ایک اور خوبصورت بزرگ دکان پر موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ علی بخش! لسی لینی ہے؟ جی ہاں۔ مجھ سے جگ لے کر اپنے ملازم سے کہا کہ دہی کا نیا کونڈا کاٹ کر لسّی تیار کر دو۔ لسّی لے کر میں نے عرض کیا کہ حضور! کتنے پیسے؟ دوکاندار بزرگ نے کہا کہ علامہ اقبال کی ہے ناں۔ جاؤ لے جاؤ ہمارا علامہ اقبال سے حساب چلتا ہے''۔ میں لسّی لے کر آیا تو علامہ نے گلاس بھر کر مہمان بزرگ کو پیش کیا پھر دوسرا گلاس بھی پیش کیا۔ تیسرا گلاس مہمان کے اصرار پر علامہ نے خود نوش کیا۔ چوتھا گلاس مجھے (علی بخش) کو دے دیا۔ تھوڑی دیر مزید علامہ اقبال مہمان بزرگ سے محو گفتگو رہے۔ پھر رخصتی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں اور علامہ اقبال مہمان کو رخصت کرنے میکلوڈ روڈ پر آئے۔ تھوڑی دور جا کر وہ مہمان بزرگ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔ ہم واپس پلٹے تو وہ دکان بھی موجود نہ تھی۔ میں نے علامہ اقبال سے پوچھا کہ یہ آدھی رات کو پہلے کبھی نہ آنے والے بزرگ کون تھے اور یہاں پر دکان سجائے بیٹھے بزرگ، جن سے میں لسّی لے کر گیا تھا وہ کون تھے؟ علامہ اقبال نے ادھر ادھر کر کے بات ٹال دی اور کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے پھر ایک روز آپ کو خوشگوار موڈ میں دیکھا تو وہ نصف شب کے اس واقعہ کی حقیقت جاننے کا سوال کر دیا۔ آؤ تمہیں اس رات کی حقیقت بتائے دیتا ہوں۔ مگر مجھ سے وعدہ کرو کہ یہ بات میری زندگی میں کسی کو نہ بتاؤ گے۔ میں نے وعدہ کر دیا۔ آج میں آپ (ڈاکٹر محمد حسین بھٹی) کو اس لیے سنا رہا ہوں کہ علامہ اقبال ظاہری طور پر وصال فرما چکے ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 36 پر

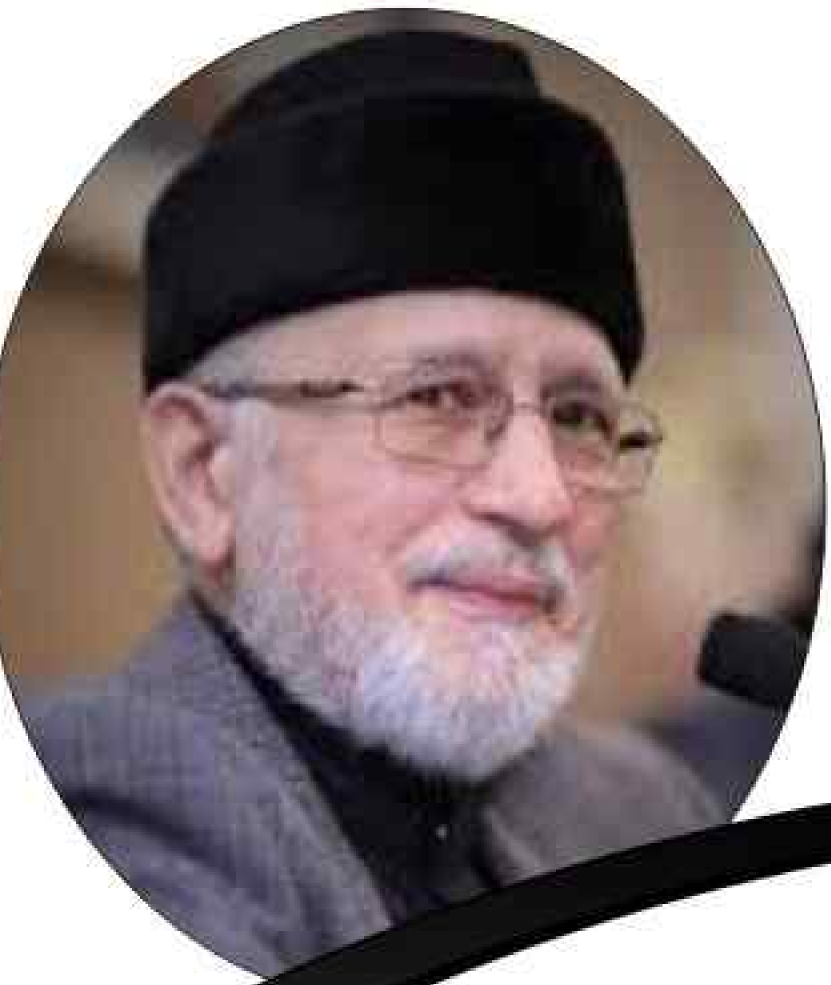

کارکنانِ منہاج القرآن کے نام

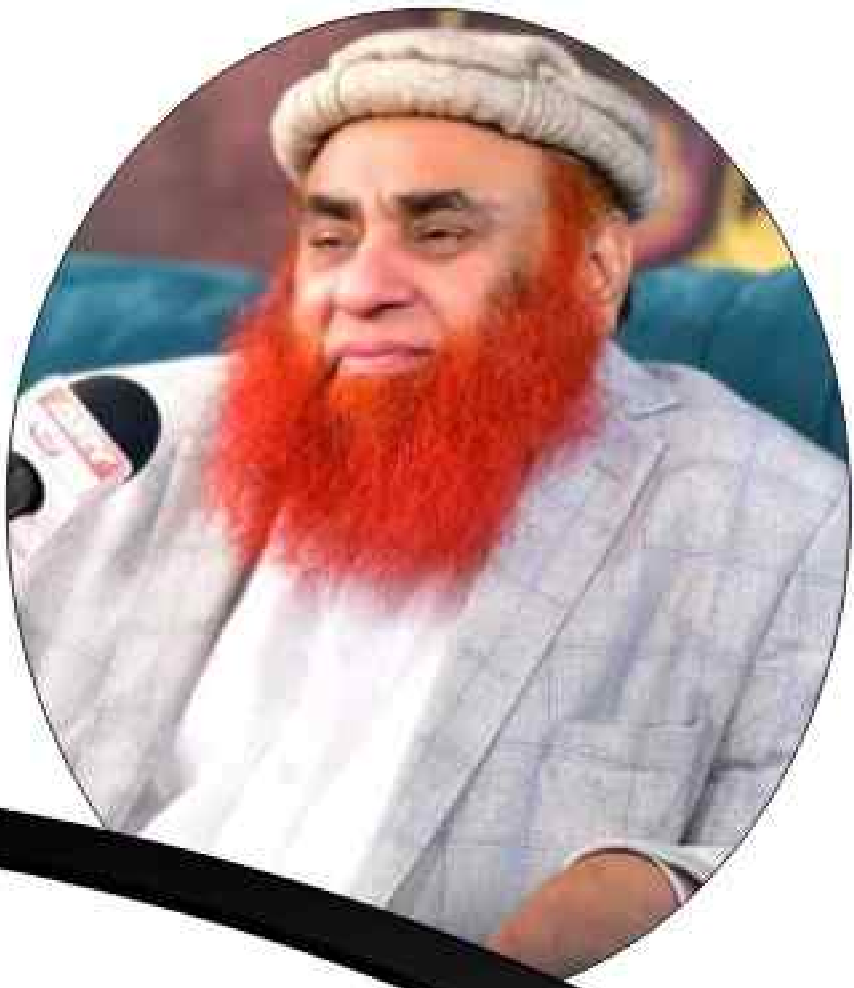

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لوگ قربان جو بات بات پہ ہیں
بات کوئی تو بات بات میں ہے

(جان کاشمیری)

بسم اللہ خوبصورت دن کی روشنی آج ہر سو خوشیاں بکھیر رہی ہے۔ منہاج القرآن کے کارکن ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب زید مجدہ کے یوم ولادت پر خوشیوں، مسرّتوں اور پاکیزہ جذبوں کے رنگ بانٹنے میں مصروف ہیں۔ اس مرتبہ منہاج کے کارکنوں کو رجب کے روحانی تحفے ہدیہ ہوئے ہیں۔ خوشیاں منانے والوں کا حق ہے کہ علمی اور روحانی اکتشافات پر انہیں مبارکباد پیش کی جائے۔ ہم سب مصطفیٰ ﷺ و مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دسترخوان کے ریزہ چین ہیں۔ ہماری نسبتیں عالی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اور فقیر بقلم خود "سب وطن" کی بارش میں شرابور ہیں لیکن کارکن دلجمعی سے خوشیاں منائیں، میں اور ڈاکٹر صاحب بھی اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور خوش ہیں۔ ہم سے حضور ﷺ کی اُمت کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ یقین سے کہنے لگا ہوں:

ہر چہ از دوست می رسد نیکو است

خوشیوں کا اصل مقامِ فضیلت یہ ہے کہ خرد اور حماقت دونوں سے ڈاکٹر صاحب نے مضراب چھین کر عشق و مستی کو تھما دی ہے۔ منہاج القرآن کے کارکنوں کا دل جیسے کرے خوشیاں منائیں، سپاس گزاری کی رسم نبھائیں، پھول بکھیریں، بتاشے بانٹیں اور مذہبی ترانے الاپیں۔ خوشی کا اصل مقام یہ ہے کہ ہمارے حصے میں حق آیا ہے اور ہم حق کے ساتھ ہی کھڑے ہیں۔ اسی لیے وقت کے دجال ہم فقیروں سے ڈرتے ہیں اور ناراض بھی ہیں۔ اللہ اکبر۔

ڈاکٹر صاحب کو علمی اور روحانی کام پر مبارکباد اور ان کے لیے اور اپنے لیے ایمان اور صحت و توفیقِ خیر کی دعا کا ملتمس ہوں اور اپنے چاہنے اور نہ چاہنے والوں کے لیے بھی دعا۔

اللہ حافظ

جفا کے تخم سے نخلِ وفا نہیں اُگتا
وہ انتقام تو لے گا جو تجھ سے تنگ آئے

سید ریاض حسین شاہ

صاحبزادہ

سید علی احمد شاہ قصوری رحمۃ اللہ علیہ

ماسٹر احسان الٰہی

کرہ ارض پر اربوں انسان بستے ہیں۔ ان انسانوں کے قلب وروح اور نہاں خانوں کے بعید ترین اور عمیق ترین گوشوں میں ایک خواہش جگنو کی طرح ٹمٹماتی ہے کہ وہ مرنے سے پہلے کوئی ایسا کام ضرور کر جائیں کہ لوگ اس کے جہان فانی سے جانے کے بعد بھی اسے یاد رکھیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ زیادہ تر انسان خودرو جڑی بوٹیوں کی طرح اپنے مقررہ وقت پر دھرتی پر نمودار ہوتے ہیں اور پھر کوئی آواز یا کوئی تاثر دیے بغیر مٹی کے ڈھیر میں ڈھل جاتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس اقتدار اور دولت کے ذخائر ہوں تو وہ اپنی اس خواہش کو پوری کرنے کے لئے مختلف کام، پُرشکوہ عمارتیں بنا کر خود کو تاریخ کے اوراق میں زندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وقت کی آندھی اور صدیوں کے غبار میں وہ گمنامی کے اندھے غار میں غرق ہو جاتے ہیں۔ دولت مند سلاطین نے دولت اور انسانی لشکروں کے سبب بہت سارے اوٹ پٹانگ کام کیے لیکن قافلۂ روز وشب کی گردشوں میں آج ان کا کوئی نام لینے والا تک نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثریت کی ہڈیوں کا چورہ اور قبریں ملیا میٹ ہو گئیں۔ کہاں گئے شمر، یزید، نمرود، فرعون، شداد، حجاج، چنگیز، ہلاکو جیسے لوگ، دولت، حکومت، جاہ وجلال، خزانے، جاہ وحشمت قصہ پارینہ ہو گئے اور آج اور آج کے بعد قیامت تک نفرت و حقارت کا نشان اور استعارہ بن گئے۔ اس کے برعکس تاریخ انسانی کے ہر دور میں کچھ ایسے خاک نشین بھی پردۂ جہاں پر ابھرے جو نہ تو دولت مند تھے اور نہ ان کے پاس لاکھوں کے فوجی لشکر تھے اور نہ ہی انہوں نے شہرت کے لئے حماقتیں کیں لیکن پھر بھی شہرتِ لازوال کی دیوی ان پر مہربان رہی۔ وہ دنیا سے چلے بھی گئے لیکن خدائے لم یزل نے کسی نہ کسی طرح ان خاک نشینوں کو زندہ رکھا۔

زندہ تو وہ ہے جس کی قبر زندہ ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام ابنِ تیمیہ، سعید بن جبیر، خواجہ معین پاک، نظام الدین، علی ہجویری، بابا فرید، عبدالقادر جیلانی جیسی اولوالعزم اور جلیل القدر شخصیات گلشنِ تصوف کے سدا بہار پھول ہیں کہ صدیوں کی الٹ پھیر سے بھی ان پھولوں کی تازگی اور رنگت میں فرق نہیں آیا اور ان کی تازگی، مہک اور رنگ وروپ ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید نکھرتا چلا جاتا ہے۔ پرانے اور سادہ کپڑوں میں ملبوس یہ فرش نشیں بے نیازی کی دولت سے مالا مال تھے جنہوں نے ساری زندگی دانستہ کوئی بھی ایسا کام نہ کیا کہ وہ شہرت کے آسمان پر جگمگائیں یا زمانہ انہیں ان کے جانے کے بعد یاد کرے لیکن وہ کیا وجہ ہے کہ نہ تو ان اولیاءِ حق نے دولت کے ذخائر کو لٹایا اور نہ ہی اپنے مریدوں کو شہرت کے حصول کے لیے استعمال کیا۔ لیکن پھر بھی آج ان کے آستانے رنگ ونور میں نہائے ملتے ہیں۔ جہاں پر دن رات درود وسلام، نعتوں اور قرآن کی تلاوت کے زمزمے پھوٹتے ہیں۔ لاکھوں دیوانوں کا ہجوم ان کی قبروں کا طواف کرتا ہے کہ انہوں نے کوئی ایسی عبادت یا ادا ضرور کی ہے جو ربِ کائنات نے انسانوں کے دلوں میں ان کی محبت اور شہرت بڑھا دی ہے اور وہ ادا یہی ہے کہ انہوں نے پوری کائنات میں صرف خدا کو چنا اور خدا کی ہر شے سے محبت کی اور خدا کی مخلوق کی خدمت کو زندگی کا مقصدِ اعلیٰ بنا لیا۔ انسانوں کی کردار سازی کی۔ صالح انسانوں کو تیار کیا جو نفرت، کینہ اور بغض سے پاک تھے، محبت، رواداری اور مساوات کے علمبردار تھے۔ ایسی ہی عظیم اور روحانی شخصیات کی صف میں ایک روشن، چمکتا، دمکتا اور جگمگاتا نام صاحبزادہ سید علی احمد قصوری کا بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''وہ لوگ جن کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے''۔

امام العارفین خواجہ محمد علی حکیم ترمذی اپنی کتاب مستاب ''نوادر اصول'' میں مذکورہ حدیث مبارک کی تشریح میں فرماتے ہیں ''ولی کا دل جلالِ الٰہی کے انوار کا خزینہ ہے اور خدا کی ہیبت اس کی قربت ہے۔ ولی کے چہرے کی تازگی اور اور روشنی اس کے باعث ہے۔ جب بندہ مومن کا دل اس نور کی پاکیزگی سے زندہ ہو جاتا ہے تو اس کا عکسِ جمیل اس کی پیشانی پر چمکتا اور دمکتا ہے۔ پھر جو بھی اس کی طرف دیکھتا ہے اسے خدا یاد آ جاتا ہے۔

مجھ حقیر ناچیز کو بھی صاحبزادہ سید علی احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارہا زیارت کا شرف حاصل رہا ہے۔ میرے والدِ محترم رحمۃ اللہ علیہ مجھے ساتھ لے کر ہر

سال عیدالفطر اور عیدالضحیٰ کے موقع پر نمازِ عید کے لئے مرکزی عید گاہ قصور جاتے تھے۔ یہ ایک بڑی اور وسیع اجتماع گاہ ہے وہاں ہم نمازِ عیدین ادا کرتے اور صاحبزادہ پیر سید علی احمد شاہ صاحب خطبہ ارشاد فرماتے اور امامت بھی کرواتے۔ آپ کا روحانی خطاب، موقع محل سے نغمگی کے ساتھ اشعار کا برجستہ استعمال، زبان میں شائستگی، لب ولہجہ میں دردوسوز کی چاشنی، پر تاثیر اور دلوں میں رس گھولنے والا اندازِ گفتگو اور آخر میں رقت آمیز دعاؤں اور قلب وروح سے اللہ سے مانگنے کا سلیقہ اور تکرار کے یادگار لمحات کا لمس میری یاد داشت میں آج بھی محفوظ ہے۔ جامع مسجد کوٹ اندرون میں باقاعدگی کے ساتھ والد صاحب کے ہمراہ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے مناظر سنہری دور کا ورثہ ہیں۔

ہر سال اکتوبر میں آستانہ عالیہ خواجہ دائم الحضوری قصوری بڑا قبرستان قصور میں سالانہ عرس کے موقع پر علمائے کرام، مشائخ عظام، پیرانِ طریقت کی آمد اور ان کی تقاریر سے مستفید ہونے، نامور نعت خواں حضرت محمد اعظم چشتی، محمد یوسف میمن، خورشید احمد (کراچی) جیسے عظیم لوگوں کی نعتیں سننے اور ان شخصیات سے مصافحہ کرنے اور عرس پر روحانی فیوض و برکات سمیٹنے کے مواقع میسر آتے رہے۔ اور صاحبزادہ سید علی احمد شاہ صاحب کا عرس شریف کا اختتامی خطاب ''مین آف دی خطاب'' ہوتا۔

سراپا مبارک

فخر السادات، پیر طریقت حضرت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے مزین شخصیت کے مالک تھے۔ آپ قامتِ زیبا کے حامل خوبصورت اور دوہرا بدن رکھنے والے جوان رعنا تھے۔ سرخ وسفید اور معتدل چہرہ اور اس پر سرخ مہندی لگی گھنی اور پوری داڑھی ان کے حسن کو دو چند کئے ہوئے تھی۔ کشادہ اور چوڑی جبین جس سے روحانیت کی کرنیں پھوٹتی محسوس ہوتیں۔ سر پر قدرتی سنہروں بالوں کے اوپر کپڑے کی سفید ٹوپی سنت بھی پوری کرتی اور آپ کے سر کے بالوں کے حسن کو نظر بد دور کرنے کا فریضہ بھی انجام دیتی۔ ہموار اور چوڑے رخسار، باریک اور یاقوتی ہونٹ جیسے گلاب کی پتیاں ہوں اور اس پر حسنِ اخلاق اور مرنجاں مرنج تبسم ریزیاں، نشست و برخاست اور رفتار و گفتار میں توازن، شرم وحیا کا پیکر، قدم رنجہ فرمائیں تو احساس تک نہ ہو کہ زمین پر کوئی چل رہا ہے۔ جو آپ کی ایک دفعہ زیارت کر لیتا بار بار دیکھنے کی تمنا اور خواہش رکھتا اور آپ کا گرویدہ ہو کر رہ جاتا۔ چلتے پھرتے لبوں پر بارگاہِ رسالت مآب کے حضور درود وسلام کا ورد جاری رہتا۔ اور حضور آقا ﷺ کی حدیث ''اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے'' آپ ہو بہو اس کا عکسِ جمیل تھے۔ بقول احمد رضا خاں بریلوی

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

ولادت و تعلیم

پیر طریقت، رہبر شریعت، مخدوم المشائخ، وارثِ فیوضاتِ خواجگان قصوریہ صاحبزادہ پیر سید علی احمد شاہ کی ولادت 1928ء میں بابا بلھے شاہ کی نگری قصور کوٹ اندرون کوچہ سیداں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم قصور شہر سے ہی حاصل کی۔ آپ بچپن ہی سے انتہائی ذہین اور فطین تھے۔ بلا کا حافظہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ودیعت کر رکھا تھا استاد کا سبق فی الفور یاد اور ازبر کر لیتے۔ لڑکپن ہی سے آپ کی زبان ہمیشہ ثناء خوانی محبوب سے تر رہتی۔ چلتے پھرے نعتیہ اشعار گنگناتے رہتے۔ نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ سکول میں ربیع الاول شریف کے مہینے میں میلاد النبی کی محفل میں نعت شریف پیش کر کے سامعین کو مسحور کر دیا۔ مہمانِ خصوصی جو مدرسہ کے معاون اور سرپرست بھی تھے۔ آپ کی نعت سن کر نہایت خوش اور متاثر ہوئے اور سکول کی سالانہ امداد کو دوگنا کر دیا۔

گورنمنٹ ہائی سکول قصور سے نمایاں پوزیشن سے میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اور مشہور زمانہ اساتذہ کی زیرنگرانی خداداد ذہانت اور محنت سے امتیازی حیثیت میں بی۔ اے تک تعلیم اسی بین الاقوامی شہرت کی حامل درسگاہ سے حاصل کی۔

شجرہ نسب

مخدوم اہل سنت حضرت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ صابر قصوری نجیب الطرفین سادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا شجرہ نسب چالیس واسطوں سے حضور سید العالمین نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے جا کر ملتا ہے۔

مخدوم المشائخ حضرت سید علی احمد شاہ کے پردادا حضرت مولانا سید غلام حسین شاہ کا تعلق سادات بخارہ سے تھا۔ آپ کے آباؤ واجداد خاندانی روایات کے مطابق عراق سے بخارا اور پھر وہاں سے کابل اور وہاں سے محمود غزنوی کی فوج میں شامل ہو کر دیارِ ہند میں تشریف لائے اور ایک زمانے کو دین اسلام کے نورِ ازلی سے منور کیا اور یہیں آسودۂ خاک ہو گئے اور یوں ہندی تہذیب کا پورا علاقہ اسلامی تہذیب وتمدن کا عملی گہوارہ بن گیا۔

خواجہ غلام محی الدین دائم الحضوری قصوری سے نسبت

صاحبزادہ پیر سید علی احمد شاہ کے دادا حضرت حافظ سید احمد شاہ کا جدی تعلق تو ساداتِ بخاری سے تھا مگر ننھیال کا تعلق اپنے نانا حضرت صاحبزادہ حافظ عبد الرسول قصوری کے واسطہ سے کشتۂ عشق رسول خلیفہ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق سے جاملتا ہے۔

حضرت مولانا خواجہ غلام محی الدین قصوری حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے گویا کہ بخاری اور صدیقی دونوں خاندان حضرت مولانا سید غلام حسین شاہ پر آکر جمع ہو جاتے ہیں اس طرح حضرت پیر سید علی احمد شاہ کا حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری کے ساتھ خاندانی تعلق یوں بنتا ہے۔

1۔ حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری
2۔ حضرت خواجہ شاہ عبدالرسول قصوری
3۔ حضرت خواجہ سید غلام حسین شاہ بخاری (نسبت دامادی)
4۔ حضرت حافظ سید احمد شاہ
5۔ حضرت سید السادات پیر سید نذیر احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ (والدِ بزرگوار)
6۔ فخر السادات، پیر طریقت، رہبرِ شریعت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ صابر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید نذیر احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔ بڑے بیٹے پیر سید شبیر احمد شاہ بخاری قصوری بھی اپنے وقت کے نہایت ہی متقی، پرہیزگار، روشن ضمیر، نورانی چہرہ کے مالک اور باعمل شیخ طریقت تھے۔ اور چھوٹے صاحبزادے صاحبزادہ پیر سید علی شاہ تھے۔

حضرت سید ابوالبرکات سے تلمذ

گورنمنٹ کالج لاہور کے زمانہ طالب علمی میں صاحبزادہ پیر سید علی احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا دو سال تک یہ معمول رہا کہ آپ انگلش وغیرہ جیسے اہم مضامین کے پریڈ پڑھ کر مرکز اہل سنت مرکزی دار العلوم حزب الاحناف تشریف لے جاتے اور پھر شام تک حضرت قبلہ سید ابوالبرکات احمد قادری اشرفی برکاتی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اجل اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملتِ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے اور علومِ دینیہ قرآن وحدیث اور فقہ کے گوہر سے دامن بھرتے۔ حضرت سید صاحب آپ کے ساتھ انتہائی محبت وشفقت سے پیش آتے۔ عزت و احترام سے معزز القابات سے نوازتے اور دورانِ تدریس خصوصی نگاہ سے شرف یاب کرتے۔ حضرت سید صاحب کے فیضِ صحبت نے آپ کو علمی دنیا میں وہ مقام عطا کیا جو محتاج بیان نہیں۔ یہی وہ تھی کہ علامہ ابو البرکات کی وساطت سے ایک واسطہ امام احمد رضا خاں بریلوی سے نسبت تلمذ علمی وروحانی کہ صاحبزادہ سید علی احمد شاہ اپنے خطاب میں اکثر جب محبت رسول پر گفتگو کرتے تو حدائقِ بخشش سے نعتیہ اشعار بکثرت پڑھتے تو سامعین پر وجد طاری ہو جاتا اور وہ جھوم اٹھتے۔

السنہ شرقیہ کی تعلیم

گورنمنٹ کالج لاہور میں دورانِ تعلیم ہی حضرت سید صاحب ابوالبرکات سے اکتساب علم وفیض کرنے کے ساتھ ہی آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے السنہ شرقیہ یعنی عربی و فارسی کے امتحانات میں بھی نمایاں ترین پوزیشن حاصل کی۔ پہلے عربی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد فاضل فارسی جسے منشی فاضل بھی کہتے ہیں اور یوں عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کی۔

سید علی ہجویری کی خدمت میں

سرزمین لاہور کو یہ شرف وامتیاز حاصل ہے کہ خطہ ارضی قدیم دور سے عشق ومحبت اور روحانیت کا مرکز رہا ہے۔ اس کی سرزمین میں بلا مبالغہ ہزاروں علماء، صلحاء، صوفیاء اور اہل اللہ آسودۂ خاک ابدی نیند سو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی اور دیگر اولیائے امت لاہور کی روحانی سطوت اور علمی تفوق کے باعث اسے ''قطب البلاد لاہور'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ خاکِ لاہور کی آغوش میں آرام فرما ہزاروں اولیاء کا ذکر نہ بھی کیا جائے تو بھی فقط حضرت سید علی ہجویری کا ذکر خیر ہی کافی ہے۔ پاک و ہند کی وہ کون سی نامور شخصیت ہے جس نے کبھی داتا صاحب کی بارگاہ میں حاضری نہ دی ہو۔ خواجہ معین پاک نے مزار داتا پر روحانی کمالات کی ترقی کے لئے چلہ کشی کی اور آپ کے فیضان سے جب فتح ابواب ہوا اور مقامِ معرفت سے بہرہ ور ہوئے تو واپسی پر داتا کے حضور انتہائی نیاز مندی سے یوں گویا ہوئے:

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

حضرت اقبال علیہ الرحمہ جیسا فلسفیِ اسلام جس نے مشرق ومغرب، قدیم وجدید کے فلسفے پڑھے تھے تو وہ بھی داتا کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے پکار اٹھتے ہیں:

سید ہجویر مخدوم امم
مرقدِ پیر سنجر را حرم

حضرت سید علی احمد شاہ کے والدِ بزرگوار سید نذیر احمد شاہ صاحب دریائے راوی کے کنارے چلہ کشی کے لئے لاہور تشریف لے جاتے اور عام حالات می بھی کثرت کے ساتھ داتا صاحب حاضری دیتے۔ پیر سید علی احمد شاہ انہیں کی آغوشِ تربیت میں طالبِ راہ حق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لاہور کا ماحول اور گورنمنٹ کالج لاہور کی فضا بھی سیرتِ سید کو مسموم نہ کر سکی چنانچہ آپ تعلیمی امور کے علاوہ زیادہ تر وقت داتا صاحب کی بارگاہ میں حاضری کی صورت میں گزارتے تھے۔ نوافل کی ادائیگی، ذکر واذکار، تلاوتِ قرآن مجید اور مراقبہ معمول ہوتا تھا۔ زمانۂ طالب علمی سے شروع ہونے والا یہ معمول تادمِ مرگ جاری رہا۔

بیعت طریقت

حضرت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ ابھی زیرِ تعلیم ہی تھے کہ آپ کے والدِ گرامی حضرت پیر سید نذیر احمد شاہ علیل ہو گئے چنانچہ انہوں نے دونوں صاحبزادوں کو بیعت کر کے ان کی روحانی تربیت شروع کر دی۔ مرشد کے دستِ حق پرست پر بیعت کے بعد آپ نے زہد و ورع، کثرتِ عبادت اور محبتِ رسول کی بدولت جلد ہی سلوک کی منزلیں طے کر لیں مرشدِ گرامی نے جب یہ دیکھا تو مریدِ صادق کو سلاسل اربعہ میں خلافت عطا کرتے ہوئے بیعت وارشاد کی اجازت سے بہرہ مند کیا۔ لیکن آپ نے ارادت مندوں کو بیعت کرنے کا سلسلہ اپنے والدِ گرامی کے وصالِ حق فرما جانے کے بعد کیا۔

شادی مبارک

حضرت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ نے ابھی شباب کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی پیر سید شبیر احمد بخاری نے آپ کے لئے آپ کے شایانِ شان رشتہ کی تلاش شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں ایک نیک سیرت سید عبد الغفور شاہ صاحب ان دنوں قصور میں محکمہ پولیس میں انسپکٹر کی حیثیت سے متعین تھے اور جامع مسجد کوٹ بدر دین قصور جہاں صاحبزادہ علی احمد شاہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے۔ سید عبد الغفور شاہ بھی وہاں ہی باقاعدگی سے جمعہ پڑھتے تھے۔ اس نوجوان خطیب کے حسنِ ظاہری اور علم سے بہت متاثر ہوئے اور انہیں اپنا بیٹا بنانے کا دلی ارادہ کر لیا۔ انہوں نے متعدد مرتبہ مسنون طریقے سے استخارہ بھی کیا اور ہر مرتبہ انہیں آپ کی شبیہہ دکھائی دی۔ جب انہیں پوری طرح اطمینان قلب حاصل ہو گیا تو انہوں نے آپ کے بڑے بھائی جان سید شبیر احمد شاہ بخاری سے رابطہ کر کے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا چنانچہ والدہ ماجدہ اور دیگر عزیز واقارب کے مشورہ سے مسنون طریقہ کے مطابق 1960ء میں حضرت پیر سید علی احمد شاہ اور سید عبد الغفور شاہ کی دخترِ نیک، رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو گئے حضرت پیر سید علی احمد شاہ کو فیاضِ ازل نے حسن صورت وسیرت اور علمی و روحانی کثرتوں کے ساتھ دو بیٹیاں اور تین بیٹے عطا فرمائے۔ فرزندانِ گرامی کے اسماء درج ہیں۔

1۔ حضرت صاحبزادہ سید عرفان احمد شاہ صاحب
2۔ حضرت صاحبزادہ پیر سید عمران احمد شاہ ولی سجادہ نشین
3۔ حضرت صاحبزادہ سید عدنان عثمان علی شاہ صاحب

بڑے صاحبزادہ سید عرفان احمد شاہ کینیڈا اور چھوٹے صاحبزادے سید عمیر عدنان عثمان علی شاہ دبئی میں مقیم ہیں اور رزقِ حلال عین عبادت ہے کے اصولوں پر کاربند پر وقار اور اطمینان والی زندگی اپنی فیملی کے ساتھ گزار رہے ہیں۔

اور صاحبزادہ سید پیر عمران شاہ ولی ساہیوال میں

مقیم ہیں۔آستانۂ عالیہ خواجہ دائم الحضوری قصوری اور اپنے بابا جان صاحبزادہ سید علی احمد شاہ کے آستانوں کے سجادہ نشین میں ساہیوال اور قصور میں روحانی تصرف کے وارث اور امین ہیں۔انتہائی عاشق رسول، قصور اور ساہیوال بلکہ پورے پاکستان کی جان اور پہچان ہیں۔نورانی چہرے اور اپنے والد مرحوم کا عکسِ ثانی ہیں۔دورانِ نعت اور سماع کی گھڑیوں میں عشقِ رسول ﷺ میں منہمک ہو کر آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں۔تین دفعہ ساہیوال سے ایم این اے منتخب ہوئے اور اب بھی ایم این اے ہیں۔اسمبلی کے فورم پر ڈنکے کی چوٹ پر ناموسِ رسالت اور عقیدہ ختم نبوت پر آپ کی تقاریر مولانا عبدالستار خان نیازی کی یاد کو تازہ کر رہی ہیں۔ایم این اے کی حیثیت سے گورنمنٹ کی طرف سے جو اعزازیہ ملتا ہے اس سے عمرہ وحج کر لیتے ہیں۔بار بار زیارت حرمین کی تڑپ آپ کو ستاتی رہتی ہے اور ہمارے قبلہ شاہ جی کی طرح آپ وہاں حاضری رینے پہنچ جاتے ہیں۔کبھی کوئی گرافٹ، پلاٹ، قرضہ و دیگر مراعات سے بالکل استفادہ نہیں کرتے بلکہ حقارت سے ٹھکرا دیتے ہیں۔

حال ہی میں ایک تحریک جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء، مشائخ و پیرانِ طریقت کی آراء، اتفاق اور دستخطوں کے بعد ایک قرارداد منظور کی گئی کہ صدر، وزیر اعظم، وفاقی صوبائی وزراء، سینٹ، قومی وصوبائی اسمبلی کے اراکین کے حلف ناموں اور جہاں بھی نامِ محمد ﷺ کا ذکر آئے گا۔لکھا اور بولا جائے گا وہاں محمد ﷺ خاتم النبیین ضرور بولا اور لکھا جائے گا۔تمام اراکین سینٹ و قومی اسمبلی کی منظوری کے بعد یہ نیا حلف نامہ ترمیم کے بعد چیئر مین سینٹ و سپیکر قومی اسمبلی کے فورم پر جمع ہو چکا ہے اور صدرِ مملکت کے حتمی دستخط کے بعد آئندہ چند روز میں باقاعدہ آئین کا حصہ بن جائے گا۔اور اس ساری جدو جہد کا سہرا بھی سید عمران احمد شاہ ولی کے سر ہے جو کہ اس کمیٹی کے کنیونیر بھی ہیں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مرکزی سنی سیکرٹریٹ کے سنگِ بنیاد کی تقریب میں حضرت صاحبزادہ سید عمران احمد شاہ ولی صاحب نے ڈھیر سارے ڈالروں کی صورت میں سیکرٹریٹ کی تعمیر کے لئے عطیہ عنایت فرمایا تھا اور مزید عطیہ دینے کا بھی وعدہ فرمایا تھا۔

قومی وملی خدمات

حضرت صاحبزادہ پیر سید علی احمد شاہ محض زاہد خشک ہی نہ تھے بلکہ اس دنیا کے اندر بھرپور زندگی بسر کی۔آپ کی پوری زندگی ”اسلام ایک دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے“ کے فلسفہ کے گرد ہی گھومتی ہے۔حضرت شاہ صاحب اگرچہ مروجہ اور معروف معنوں میں سیاستدان نہیں تھے اور نہ کبھی آپ نے کسی الیکشن میں حصہ لیا لیکن اس کے باجود ملک میں جب بھی کوئی ایسی تحریک اٹھی جو مجموعی طور پر قوم وملک کے مفاد میں تھی تو آپ بانگِ دہل اپنے خطبات میں اس کی حمایت اور رائے عامہ کو ہموار کرتے۔23 مارچ 1940ء کو لاہور مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔شاہ صاحب زمانہ طالب علمی میں تھے۔گلی گلی، محلے محلے جلسے اور جلوس ہو رہے تھے۔آپ طلباء کو ہمراہ لے کر آزادئ وطن کے لئے جلوس نکالتے۔پاکستان اور مسلم لیگ کے حق میں نعرے لگواتے۔کوٹ اندرون موری گیٹ قصور مسلم لیگ کا قلعہ اور مرکز تھا۔آپ ہر سرگرمی میں بھرپور حصہ لیتے۔اسی طرح تحریکِ تحفظ ختم نبوت میں مولانا عبدالستار خان نیازی، سید ابوالحسنات محمد احمد قادری، مولانا عبدالحامد بدایونی کے ساتھ مل کر کام کیا۔1974ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کا آغاز ہوا تو شاہ صاحب قائدین کی زبان بن کر اپنے خطابات کا موضع ہی ردِ قادیانیت اور فتنہ مرزائیت کی حقیقت و اصلیت بن گیا تھا اور بالخصوص مرزا کی عبرتناک موت کا ذکر کرتے ہوئے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔سنی کانفرنس ٹوبہ ٹیک سنگھ 1970 تحریکِ نظام مصطفیٰ 1977، مزار امریا خانے کل پاکستان سنی کانفرنس ملتان 1978ء کل پاکستان میلاد مصطفیٰ کانفرنس رائے ونڈ 1979 میں دیگر علمائے حق، مشائخ عظام اور پیرانِ طریقت کی معیت میں بھرپور نمائندگی اور نمایاں ہے دیگر یہ کہ حضرت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ صاحب تنظیمات اہل سنت، جمعیت علمائے کرام پاکستان، منہاج القرآن اور مذہبی وسیاسی میدان میں اہل سنت کی نمائندہ جماعتوں سے بھرپور منسلک رہے۔ان جماعتوں کے اکابرین کے ساتھ ان کے روابط اور ان کے زیر اہتمام والے مختلف پروگراموں میں شریک ہو کر صدارت یا خطابت کے فرائض سرانجام دیتے اور مریدین کو شامل اور تعاون کرنے کی تاکید اور ہدایت فرماتے۔غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی، صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ، مفتی محمد نور اللہ نعیمی، ضیاء الامت جسٹس پیر کرم شاہ، مفتی محمد عبداللہ قادری، پیر سید یعقوب شاہ پھالیہ، مولانا الشاہ احمد نورانی، عبدالستار خاں نیازی، پیر سید غضنفر علی شاہ، حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، علامہ مولانا عبدالعزیز چشتی جیسی بے شمار اور جلیل القدر ہستیوں سے ان سے گہرے تعلقات اور یاد اللہ تھی۔

1958ء میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے پنڈی میں ایک جلسہ میں سید علی احمد شاہ کا خطاب سنا۔آپ کا موثر اور دلنشیں خطاب سن کر صدر مرحوم بہت متاثر ہوئے۔بعد میں اپنے سیکرٹری کے ذریعے ایوانِ صدر اسلام آباد کی مسجد میں خطابت کرنے کی پیش کش کی تو شاہ صاحب نے اس نظریہ سے کہ اس طرح وہ بہتر طور پر دین کی دعوت کا فریضہ سرانجام دے سکیں گے اور ایوانِ صدرِ اسلام آباد کی جامع مسجد میں خطبہ دینا شروع کر دیا۔عمل واصلاح پر آپ کا خطاب سن کر اعلیٰ حکومتی ذمہ داران اور بڑے بڑے آفیسر بہت متاثر ہوئے پھر کچھ عرصہ بعد والدہ صاحبہ کے حکم پر واپس قصور آ گئے اور 1964ء سے لے کر 1996ء میں صاحبِ فراش ہونے تک بغیر کسی انقطاع کے اور دنیوی لالچ اور مالی مفاد کے ہر ہفتہ تشریف لا کر قصور میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔کبھی تنخواہ یا اعزازیہ کا تقاضا نہ کیا۔بلکہ آپ کی جملہ خدمات بھی فی سبیل اللہ تھیں۔

مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر آپ کی زندگی کے دیگر بہت سے گوشوں، تصنیفات، تبلیغی دورہ جات، کرامات وغیرہ کے لئے ایک اور علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔پھر کبھی موقع ہوا تو ضرور عرض کروں گا۔اس سلسلہ میں میں اپنے ایک نہائت محترم اور دینی بھائی جناب شوکت علی قادری کا بہت ممنون ہوں گا جو کہ ہمارے شاہ جی صاحب مفسر قرآن علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم کے بھی دیرینہ منظورِ نظر میں اور حضرت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ کے مرید خاص اور سید عمران احمد شاہ ولی صاحب کے بھی

بڑے منظور نظر ہیں اور آستانہ عالیہ کے عرس مبارک پر محفل پر لنگر شریف اور دیگر امور کے انچارج بھی ہیں جنہوں نے اس مضمون کو قلمبند کرنے میں میری راہنمائی فرمائی۔ اللہ ان کے علم، عمل، عمر اور رزق میں برکتیں عطا فرمائے۔

سفرِ آخرت

مسلسل سفر اور پیرانہ سالی اور ضعف و ناتوانی کے باعث زندگی کے آخری چند سال میں اگرچہ دعوت و ارشاد کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا تھا لیکن پھر بھی وابستگانِ سلسلہ اور طالبین کو اصلاحِ احوال اور تلقینِ اوراد کا سلسلہ جاری رہا۔ غرض صبر و شکر کا یہ مجسم پیکر ایک عرصہ صاحبِ فراش رہنے کے بعد 9 اکتوبر 1999ء بروز ہفتہ صبح نو بجے ساہیوال میں اپنے اہل و عیال اور ہزاروں لاکھوں عقیدت مندوں کو داغِ مفارقت دے کر خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو اپنے مرشد و مربی والدِ بزرگوار اور خواجہ غلام محی الدین دائم الحضوری کے قدمین بڑا قبرستان قصور میں آہوں اور سسکیوں کی فضا میں ہزاروں سوگواران کی موجودگی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

آپ کا عرس سال میں دو مرتبہ اپریل اور اکتوبر میں منایا جاتا ہے۔

قصور میں آپ کا عرس مبارک درج ذیل اولیائے کرام کے ساتھ اپریل میں آستانہ عالیہ خواجہ دائم الحضوری قصوری پر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

1۔ حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری

2 حضرت خواجہ حافظ غلام مرتضیٰ استادِ محترم بابا بلھے شاہ و حضرت پیر بابا وارث شاہ

3۔ حضرت خواجہ شاہ عبد الرسول

4۔ حضرت خواجہ غلام حسین شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (نسبتِ دامادی)

5۔ حضرت سید السادات پیر نذیر احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

6۔ حضرت پیر طریقت، رہبر شریعت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

جبکہ اکتوبر میں آپ کا عرس ساہیوال میں ان اولیاء کرام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

1۔ حضرت فنافی الرسول اویس قرنی رضی اللہ عنہ

2۔ حضرت غوث الثقلین سید عبد القادری جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

3۔ حضرت صاحبزادہ سید علی احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

بقیہ: ''حضرت خواجہ خواجگی امکنگی قدس سرہ''

جب تینوں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پہلے کو وہی کھانا کھلایا جو اس نے خیال کیا اور دوسرے کو اس کی خواہش کے مطابق میوہ کھانے کو دیا اور تیسرے سے فرمایا درویشوں کو جو حالات و کمالات نصیب ہوتے ہیں وہ بمتابعت صاحبِ شریعت ہوتے ہیں ان سے خلافِ شرع امر صادر نہیں ہوتے اس لیے تمہاری خواہش پوری نہیں کی۔

اس کے بعد تینوں سے فرمایا: درویشوں کے پاس امتحان کی نیت سے نہ آنا چاہیے کیونکہ اس کو بے ادبی کہتے ہیں اور بے ادب فیض و برکت سے محروم رہتا ہے ان کی زیارت خالصتاً اللہ کرنی چاہیے کیونکہ

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل ربّ
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دل مردِ خدا ناید بدرد

قدسیہ

ایک دفعہ ایک درویش نے بیان کیا کہ میں ایک رات حضرت خواجہ کے پاس جا رہا تھا کہ راستہ میں کانٹا لگ گیا۔ عرض حال کیا تو آپ نے فرمایا:

''اے برادر! جب تک کانٹا نہیں لگتا پھول ہاتھ نہیں آتا''۔

بقیہ: ''علامہ محمد اقبال کی اولیائے کرام سے عقیدت''

علامہ محمد اقبال نے بتایا کہ اس آدھی رات کو ہمارے ہاں پہلی بار آنے والے مہمان سلطان الہند، عطائے رسول حضرت خواجہ سید حسن معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجمیری (متوفی 633ھ/1236ء) تھے اور جو بزرگ باہر سڑک پر دکان سجائے بیٹھے تھے وہ والی پنجاب حضور سیدنا علی بن عثمان الہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (م 465ھ/1072ء) تھے۔

مجاہد ملت مولانا عبد الستار خان نیازی (1915ء۔2 مئی 2001ء) کی زبان سے یہ واقعہ راقم الحروف نے فوراً تحریر کر کے اخبارات کو بھیج دیا۔ مجھے یاد ہے کہ روزنامہ مشرق لاہور نے 10 جون 1990ء کو شائع کیا۔ اس طرح یہ عظیم روحانی واقعہ علامہ اقبال کی روحانی زندگی کا حصہ بن گیا اور اقبال شناس قلم کاروں نے اسے Pick کیا۔ بعد ازاں کسی صحافی نے مولانا نیازی سے پوچھا کہ انہوں نے یہ واقعہ کس سے اور کہاں سے سنا ہے تو آپ ضعف حافظہ کی بنا پر اس شخصیت کا نام نہ بتا سکے فقط یہ کہہ سکے کہ ضلع گوجرانوالہ کی ایک شخصیت سے سنا ہے۔ حافظ آباد 19 جون 1993ء کو ضلع بننے سے پہلے ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل تھا اس لیے مولانا نیازی کو فقط ضلع گوجرانوالہ یاد رہ سکا۔ درحقیقت راقم الحروف اگر اس روحانی واقعہ کو قلم بند نہ کرتا تو آج یہ واقعہ علامہ اقبال کی زندگی کا حصہ بن جانے سے رہ گیا ہوتا۔

چنانچہ یہ آرٹیکل اس واقعہ پر ایک ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے جسے بعد ازاں اب تک بہت سے اخبارات و رسائل و کتب نے نقل کیا ہے۔ ''لاہور میں مدفون مسلم شخصیات'' نامی کتاب میں علامہ اقبال کا باب اسی واقعہ پر مرقوم ہے۔ واہ کینٹ کے سید نور محمد قادری نے ''حکیم الامت علامہ اقبال اور داتا گنج بخش'' نامی کتابچہ میں ادارہ پاکستان شناسی کے ظہور الدین خان اور راقم الحروف کے حوالے سے اسے فائنل کیا ہے۔ اسی طرح ''مؤرخ اہلسنت''، ''اکابر تحریک پاکستان'' سمیت مصنف کتبِ کثیرہ میاں محمد صادق قصوری نے بھی اپنی ایک کتاب کے لیے کاپی منگوائی اور ڈاکٹر محمد حسین بھٹی پر سوانحی مضمون طلب فرمایا ہے۔

بحر حال کئی سال بعد راقم یہ آرٹیکل جو ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے اشاعت عام کے لیے میڈیا کو جاری کر رہا ہے۔ اللہ کریم بوسیلۂ نبی کریم ﷺ اسے بارگاہانِ اولیاء کرام اور علامہ اقبال میں اس خدمت کو قبول فرمائے۔ دعاؤں میں یاد رکھنے کا خواستگار۔ خادم ملک و دین محمد یوسف حضوری۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

سید ریاض حسین شاہ

صحیح یاد نہیں ''الولی'' نامی ایک گاؤں کے قریب کسی دوست کے ہاں آپ مہمان تھے۔رات کا ایک خاصا حصہ گزر چکا تھا محفل میں چند غیر مقلد بھی موجود تھے۔کسی درویش نے اقبال کا یہ شعر ترنم اور درد سے پڑھا:

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

آپ پر وجد طاری ہو گیا۔گریاں و مستاں آپ سنتے چلے جا رہے تھے اور پڑھنے والا بھی لذت و سرور میں ڈوب کر اس کا تکرار کیے جا رہا تھا۔کسی شخص نے کہہ دیا کہ آؤ ذکر کرتے ہیں۔آپ فرمانے لگے اس کا نام بھی ذکر ہے،اس کی باتیں بھی ذکر ہیں،اس کی یاد بھی ذکر ہے،اس کا حوالہ بھی ذکر ہے،پھر آپ نے ارشاد فرمایا اور پڑھنے والے نے پھر سے پڑھنا شروع کر دیا۔

بادشاہوں کو اگر پتہ چل جائے کہ نام خدا میں کیا لذتیں اور برکتیں ہیں تو وہ تاج شاہی پھینک کر درویشوں کے قافلۂ جاں مست میں شامل ہو جائیں

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

طبیعت بدلی تو آپ فرمانے لگے:

لوگ کس قدر بے وقوف ہیں کہ اللہ جل مجدہ کے نام سے دور ہیں اور دنیا ہی دنیا ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔کسی درویش نے کیا خوب کہا کہ بادشاہوں کو اگر پتہ چل جائے کہ نام خدا میں کیا لذتیں اور برکتیں ہیں تو وہ تاج شاہی پھینک کر درویشوں کے قافلۂ جاں مست میں شامل ہو جائیں۔

محفل ذکر شروع ہوئی۔کچھ دیر آپ نے گردن جھکائے رکھی،پھر آنکھوں کی پتلیاں آسمان کی طرف پھیریں،پھر جھٹ سے آپ شرکائے محفل کے دلوں کی جانب دیکھنے لگ گئے۔عجب سماں بندھا لوگ روئے جا رہے تھے بظاہر رونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو رہی تھی لیکن آنکھوں کی جھیلیں آب ندامت سے لبالب بھر رہی تھیں۔اچانک آپ نے ہاتھ دعا کے لیے بلند کر دیے،بجھی شمع جلی تو ہر نظر آپ کے چہرے کا طواف کر رہی تھی جیسے آپ فرما رہے ہوں:

با پرستارانِ شب دارم ستیز
باز روغن در چراغ من بریز

ایک شخص نے کشف وغیرہ کی کچھ باتیں چھیڑنا چاہیں لیکن آپ نے فرمایا میرے نزدیک ان چیزوں کی کوئی قیمت نہیں۔انسانوں کا اصل سرمایۂ رسالت مآب ﷺ کی محبت اور اطاعت ہے،ہمارا ملک،ہماری منزل اور ہمارے اصول تربیت سب ''اطیعوا الرسول'' کے گرداگرد گھومتے ہیں۔ایک شخص نے عرض کی قبلہ! فلاں شخص آپ سے تعویذ لینے کے لیے آیا ہے اس پر آپ نے محفل میں بیٹھے ہوئے ایک ''سیدزادے'' کی طرف اشارہ کر دیا اور فرمایا: ''یہ کام ان کا ہے''،میں اُمّی شخص ہوں مجھے سوائے اللہ عز سبحانہ کے ذکر کے اور کچھ نہیں آتا:

ہر لحظہ نیا طور ، نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

صبح ہوئی اور آپ ''ہری پور'' کی طرف روانہ ہوئے۔گاڑی نہ ملنے کی وجہ سے پیدل ہی چلنا پڑا۔راستہ میں تربیلہ جھیل پر نظر پڑی اور ان ویران بستیوں کا ذکر آیا جو زیر آب دب گئیں۔کچھ دوستوں نے چند اصحاب مزارات کا ذکر کیا تو آپ گھائل ہو گئے اور فرمانے لگے: ''زندگی اور موت بھی کیا چیز ہے'' اور انسان کس قدر وحشت ناک راہوں کا مسافر ہے،چلتے چلتے آپ رک گئے اور اپنے ایک ساتھی کے کندے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا موت بھیانک سایہ ہے لیکن مومن کے قلب بیدار کا یہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی اس لیے اللہ کے ذکر سے اپنے دلوں کو زندہ کرو۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ راہ وفا میں چلتے جا رہے تھے اور آپ کے دل کی دھڑکنوں میں اسم باری کا نور اور روح کی گہرائیوں میں حب رسول ﷺ کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں اور آپ گویا بقول عارف اپنے دوستوں کو حوصلہ دیتے بڑھ رہے تھے:

وہم و شبہات کے آثار مٹاتے چلیے
ذوق و وجدان کے گلزار کھلاتے چلیے
توڑ کر سخت پہاڑوں کو ، خلیجیں بھر کر
آنے والوں کے لیے راہ بناتے چلیے
فاصلے قرب میں ڈھلنے کو ہوا کرتے ہیں
اشہب شوق کو مہمیز لگاتے چلیے

طلبِ ہدایت

آصف بلال آصف

پچھلے دنوں محترم شاہ جی سرکار کی "ہدایت" پر گفتگو سنتے ہوئے میں کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا۔۔۔دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہدایت بھی توبہ سے جڑی ہوئی ہے۔۔۔شاہ جی محترم کی گفتگو کی وضاحت بھلا میں کم علم کیسے کرسکتا ہوں۔۔۔بس اپنے مضمون میں برکت شامل کرنے کے لیے اپنے پیرِ مکرم کا ذکر کیا ہے۔۔۔آپ کی گفتگو سے مجھ ناچیز نے جو سمجھا ہے اس کے مطابق ہدایت چار قسم کی ہوتی ہے:

ہدایت تکوینی:

کائنات میں موجود اشیاء(سورج، چاند، ستارے وغیرہ وغیرہ) کے نظم وضبط میں پوشیدہ ہدایت کو سمجھنا۔

ہدایت الہامی:

انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعے ہدایت حاصل کرنا۔

ہدایت توفیقی:

اللہ تعالیٰ کے خاص کرم سے نصیب کا جاگنا اور ہدایت کا ملنا۔

ہدایت اختیاری:

انسان کے اندر موجود ہدایت جو انسانی اعضاء سے متصل ہوتی ہے۔

ہدایت مانگنے سے ملتی ہے۔۔۔طلب کرنے سے ملتی ہے۔۔۔اگر کسی کو ہدایت چاہیے تو اس کے لیے سب سے پہلے اللہ کی طرف پلٹنا ہوگا۔۔۔توبہ کرنا ہوگی۔۔۔ہر مسلمان ہدایت چاہتا ہے اور توبہ بھی کرتا ہے۔۔۔مگر سوال یہ ہے کہ کتنے خلوص سے کرتا ہے۔۔۔؟

ہر انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ اسے ہدایت عطا کرے۔۔۔وہ توبہ کرتا ہے۔۔۔وہ ہدایت چاہتا ہے۔۔۔ایسی توبہ کرنے اور ہدایت چاہنے کا تکلف تو ہم سب روز ہی کرتے رہتے ہیں۔۔۔لیکن کیا اس سے کبھی کوئی فرق بھی پڑتا ہے۔۔۔؟

اللہ تعالیٰ اداکاری سے نہیں۔۔۔بلکہ اخلاص سے مائل بہ کرم ہوتا ہے۔۔۔ہدایت کا طلب گار ہونے کے لیے پہلے اس کا امیدوار ہونا پڑتا ہے اور یہ امید حاصل کرنے کے لیے توبہ کرنا ہوتی ہے۔۔۔یہ توبہ اپنی پچھلی ساری زندگی پر کی جاتی ہے۔۔۔جو ہو گیا۔۔۔جو کرلیا۔۔۔اس پر توبہ کی جاتی ہے اور توبہ کے قبول ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ دل سے خلش (Guilt) ختم ہوجائے۔۔۔

توبہ کے بعد انسان پچھلی ساری زندگی کو بھول جاتا ہے۔۔۔یہ ایک نیا جنم ہوتا ہے۔۔۔اس کے لیے بے پناہ اخلاص اور آہنی عزم و ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔یہ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ہے۔۔۔اگر وہ جان چکا ہے کہ اب تک جو زندگی اس نے جی ہے وہ اندھے کی زندگی ہے تو ایسی زندگی کو کیا کرنا ہے۔۔۔؟

جب ایک پُرخلوص، اصل توبہ ہوتی ہے تو نفس کا اللہ سے جھگڑا ختم ہوجاتا ہے۔۔۔جنگ ختم ہوجاتی ہے۔

توبہ شرمندگی ہے۔۔۔توبہ ندامت ہے۔۔۔توبہ آنسو ہیں۔۔۔

ساری زندگی اسی کشمکش میں گزار دینا کیسی بھیانک غلطی ہے۔۔۔کہ میں توبہ کرتا ہوں اور ہدایت بھی مانگتا ہوں۔۔۔پھر بھی ویسے کا ویسا ہی ہوجاتا ہوں۔۔۔

زندگی یا تو اللہ کے ساتھ ہے یا اللہ کے بغیر۔۔۔یہ درمیان والی اذیت ختم کردینا ہوتی ہے۔۔۔ایک کیمپ چن لینا ہوتا ہے۔۔۔ایک حتمی فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔۔۔یا تو ہم اللہ کے ساتھ ہیں۔۔۔یا نہیں۔۔۔

اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

’’اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے لوگوں کی راہ پر چلائے اور تمہاری توبہ قبول فرمائے۔اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور وہ لوگ جو خواہشات کی غلامی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے بہت دور ہٹ جاؤ‘‘۔(سورۃالنساء 27،26)

’’پس وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو یقینا وہ فلاح پانے والوں میں ہوگا‘‘۔ (سورۃالقصص:67)

اس توبہ کے لیے انسان کو رسمِ زندگی ادا کرنی ہے۔۔۔کسی رات میں جب دنیا سو چکی ہو اور اللہ آسمانِ دنیا پر نزول فرما چکا ہو۔۔۔ہمیں اس کے سامنے جھک جانا ہے۔۔۔سب کچھ مان لینا ہے۔۔۔تسلیم کرنا ہے۔۔۔سچے دل سے۔۔۔اخلاص کی شدت سے۔۔۔ہماری چشمِ حذیں سے وہ آنسو نکلنا ہے جس پر ہمیں بخش دیا جائے۔۔۔ہمیں اپنی ساری زندگی پر جو ہم اپنی مرضی سے گزار چکے ہیں۔۔۔اس مرضی پر توبہ کرنی ہے۔۔۔ہمیں اپنے خالق و مالک کے آگے اعتراف کرنا ہے کہ ہم اُسے نظر انداز کرکے جیتے رہے ہیں۔۔۔ہمیں اپنی گزشتہ زندگی سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے کہ اے اللہ ایک گناہ گار، ایک غافل جو بھی کرسکتا تھا وہ میں نے کیا ہے۔۔۔جو ہوگیا سو ہوگیا۔۔۔میں بھی بھول جاتا ہوں۔۔۔تو بھی بخش دے۔۔۔مجھے معاف کردے۔۔۔درگزر فرما۔۔۔کیونکہ درگزر کرنا ہی تیری شان کے لائق ہے۔۔۔

جب پُرانا حساب کلیئر ہوجائے تو پھر ہدایت کی دعا کی جائے۔۔۔گڑگڑا کر، بھکاری کی طرح، صحرا میں گمشدہ ایک جاں بلب مسافر کی طرح دعا کی

جائے۔۔۔

''اے اللہ میں توبہ کر چکا ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ تو میری توبہ قبول کر چکا ہے۔ میں ایک گمشدہ انسان ہوں ،میری کوئی پہچان،کوئی شناخت میرے پاس نہیں ۔ مجھے ہدایت عطا کر،میری راہنمائی فرما، مجھے گائیڈینس دے۔میرا دل روشن فرما۔ میں غفلت میں ہوں تو مجھے سنبھال لے ۔ اگر میں گمراہی میں جاؤں تو مجھے روک لے ۔مجھے بچا لے۔اے میرے ربّ میں تو خلوص سے مانگ ہی سکتا تھا۔آج یہ خلوص مجھ میں ہے تو میرے اس خلوص کو قبول فرما۔ مجھے مل جا۔میری غفلت مجھ سے دور کر دے۔میں اپنا آپ تیرے حوالے کرتا ہوں جدھر تو بہتر سمجھتا ہے مجھے لے چل''۔۔۔

''اے ہمارے رب! جب تو ہمیں ہدایت کر چکا تو ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے ہاں سے ہمیں رحمت عطا فرما بے شک تو بہت دینے والا ہے''۔

(سورۂ آل عمران 8)

جس دن یہ رسم بندگی ادا ہوگئی اس دن کے بعد سے علامات،حقائق اور واقعات بدلنا شروع ہو جائیں گے۔دل کا سچا ہونا اور اخلاص یہ دونوں لازم شرائط ہیں۔۔۔

انسان کو وہاں وہاں سے خیر ملنے لگتی ہے جہاں جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔۔۔بس اللہ پر بھروسہ اور اعتماد رکھنا ہوتا ہے۔۔۔الرٹ رہنا ہوتا ہے۔۔۔اپنی اصلاح میں مصروفِ عمل ہونا ہوتا ہے۔۔۔حالات و واقعات پر کڑی نگاہ رکھنی ہوتی ہے۔۔۔پھر آہستہ آہستہ انسان کو دکھائی دینا شروع ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے نئے راستے بنائے جا رہے ہیں۔۔۔

جب اللہ راستہ دکھاتا ہے تو انسان پر انکشاف ہوتا ہے کہ اس راستے پر اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی ﷺ اس کی راہنمائی کے لیے پہلے سے ہی موجود ہیں۔پھر اُسے جس مربی، استاد یا مرشد کریم کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اس سے ملا دیا جاتا ہے۔۔۔سارا بندوبست خود بخود ہوتا ہے۔۔۔انسان کی اتنی ہمت کہاں کہ اپنی محدود عقل سے اتنا بڑا کام کر لے۔۔۔یہ سب تو اللہ کرتا ہے۔۔۔بس صرف بندے کے نام لگ جاتا ہے۔۔۔ساری بات دعا کی ہے۔۔۔نیت اور اخلاص کی ہے۔۔۔زندگی میں ایک بار یہ دعا کر لینا انتہائی ضروری ہے۔۔۔ہمارا کام صرف یہ ہے کہ سچی توبہ کریں اور خلوص دل سے ہدایت مانگ لیں۔۔۔

باقی سب اللہ کرتا ہے۔۔۔

کیا ہم میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ ہم یہ چھوٹا سا کام کر لیں۔۔۔؟

کیا ہم سب کو اللہ سے اتنی بھی محبت نہیں کہ ہم اس سے ہدایت مانگ لیں۔۔۔؟

یہ کام آج ہی کریں اس آج کو کل نہ ہونے دیں کہ یہ کل کبھی نہیں آئے گی۔۔۔

جو کرنا ہے آج ہی کرنا ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔۔۔

آمین

تبصرہ و تذکرہ سے ایک اقتباس

ابراہیم علیہ السلام سے قریب ترین کون ہو سکتا ہے
ان کا وارث روحانی ہونے کا استحقاق کسے ہے
ان کی معنوی نسبت کس قوم کو حاصل ہے
قرآن حکیم نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا
یہودی نہ نصرانی، ہر وہ شخص اُن سے قرب کا رشتہ اور نسبت رکھتا ہے جو ان کی پیروی کرتا ہے
اور یہ نبی معظم ہیں جو ان سے ہر قریبی سے بھی قریب تر ہیں اس لئے کہ یہ ان کے اصولوں کے پرچم بردار ہیں
دین توحید کو قوت اور طاقت دینے والے ہیں
ان کی محبتوں کی خوشبو ان کے وجود میں محسوس ہوتی ہے
ان ہی کے غلاموں نے ان کے خلوص اور ایمان کا راستہ اپنایا ہے
جہاد اور تقویٰ کی وراثتیں امت محمدیہ ہی میں ضوفشاں ہوئی ہیں
ابراہیمی ذریت میں محمدی عساکر ہی نے ان کی قربانیوں کو برکت بخشی ہے
یہودیوں کی دنیا تو انسانی نسلوں کے قتل عام کی سازشوں میں مگن رہتی ہے اور عالم مسیح اسلام کو ایک مہیب عفریت تصور کرتا ہے
ان دونوں قوموں نے اسلام کو اپنی لغت سے نکال رکھا ہے
صرف اور صرف اسلام اور ایمان والے ہیں جو ابراہیمی روحانیت کے رازداں ہیں

منجانب
ڈاکٹر محمد سلیم۔شیخوپورہ

علامہ نثار الحق علوی

انعام الحق علوی

ممتاز عالمِ دین حضرت عبید اللہ علوی کے فرزند محمد نثار الحق علوی اپنے مریدین اور شاگردوں میں رشد و ہدایت کا فیضان جاری کر کے 19 دسمبر 2021ء کو خالق حقیقی کے حضور پیش ہو گئے۔ آپ کی پیدائش خوازہ خیلہ میں 21 فروری 1936ء کو ہوئی۔ آپ کے والد مولانا عبید اللہ علوی حضرت علامہ مولانا دیدار علی شاہ صاحب کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کے دادا مولانا لطیف اللہ علوی ولد محمد نور بابا ایک بڑے بزرگ اور قابل رشک مقام رکھتے تھے اور سیدو بابا کے خاص مرید تھے۔ آپ کے خاندان میں حضرت مولانا محمد یوسف بابا کو درس و ہدایت میں علمی و مذہبی مرتبہ حاصل تھا۔ آپ تین بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ پیدائش سے پہلے آپ کے سات بھائی وفات پا چکے تھے اور آپ دعاؤں اور منتوں سے مانگے گئے تھے۔ آپ کا نام غوث قطب کے مرتبہ پر فائز اس وقت کے ایک بڑے بزرگ ولی محمد المعروف سنڈاکئی بابا کے خلیفہ جناب مولانا محمد قمر صاحب نے محمد نثار الحق علوی تجویز کیا۔

آپ نے ابتدائی دینی تعلیم خوازہ خیلہ سوات میں ہی حاصل کی۔ لاہور آجانے پر دینی تعلیم میں فقہ میں کنز قدوری، ہدایہ شریف کا اکتساب کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے ایم۔ اے عربی اور ایم اے اسلامیات کیا۔ سرکاری ملازمت میں انتہائی ایمانداری سے خدمات سرانجام دیں اور ہمیشہ دیانت داری کی تلقین کرتے، آپ فروری 1996ء میں سرکاری عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ہمیشہ ہر ایک کو پانچ وقت کی نماز کی تلقین کرتے کہ نماز پڑھو گے تو زندگی آسان ہو گی ورنہ ہمیشہ دنیا کی دلدل میں رہو گے۔ آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت واصف علی واصف، برہان احمد فاروقی اور آپ کے والد مولانا عبید اللہ علوی قاضی عبد النبی کوکب کا نام نمایاں رہا۔ علامہ احسان الٰہی، منیر نیازی اور بہت سی مشہور شخصیات آپ کے ہم جماعت رہے۔ آپ روحانیت کی طرف راغب ہوئے تو صوفی باصفاء ریاکاری سے عاری صحیح معنوں میں درویش کی صحبت نصیب ہوئی۔ آپ نے 1970ء کے عرصہ میں تاج الاصفیاء الحاج صوفی محمد حنیف خان قادری چشتی نقشبندی سہروردی صابری نیازی کے ہاتھ پر بیعت کر کے معرفت کی منازل طے کیں اور پھر خاص توجہ حاصل کر کے حضرت صاحب سے خلافت پائی۔ آپ تقریباً 45 برس تک ایک بہت بڑی جامع مسجد کے خطابت اور امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مخلوق خدا کی ہر طرح سے مدد فرماتے، بے کسوں، بیواؤں کی جان و مال سے بے لوث خدمت کرتے۔ آپ کا قول ہے کام آنے پر احسان مت جتلاؤ، برائی کا بدلہ برائی سے مت دو، ہمیشہ اچھے رہو اور اچھے کی نصیحت کرو، اخلاق سے پیش آؤ، بے ادبی سے بچو، حصول رزق میں حلال کی جستجو رکھو۔ نماز کی پابندی کرو، آپ خلقِ خدا کے لیے دین اور اس کے وظائف میں آسانی کی نصیحت فرماتے۔

> **کام آنے پر احسان مت جتلاؤ، برائی کا بدلہ برائی سے مت دو، ہمیشہ اچھے رہو اور اچھے کی نصیحت کرو، اخلاق سے پیش آؤ، بے ادبی سے بچو، حصول رزق میں حلال کی جستجو رکھو**

سب سے اہم کام جو انہوں نے اپنی زندگی میں سرانجام دیا وہ دلائل الخیرات شریف ہے۔ اشاعت اول دلائل الخیرات شریف 1987ء دوسری اشاعت 2011ء کی.... تیسری اشاعت 2013ء میں کی اور چوتھی اشاعت 2017ء میں کی۔ خود بھی باقاعدگی کے ساتھ دلائل الخیرات پڑھتے اور صاحبان شوق کو بھی پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ آج پاکستان کے گوشے گوشے میں دلائل الخیرات شریف لوگ پڑھتے ہیں اور ان کو دعاؤں میں یاد کرتے ہیں۔ نصیحت میں آپ ماں باپ کا ادب بڑوں کا احترام کرنے پر بہت زیادہ زور دیتے، بچوں کیلئے علم کے حصول اور اس کی اہمیت کا احساس دلاتے۔ ہمیشہ فرمایا کرتے! کہ بچیوں کی تربیت کے لیے اچھی ماں کا انتخاب ضروری ہے جو تمہارے مستقبل کی اچھی نسل کی تربیت کر سکے۔ غرض کہ آپ تمام لوگوں کے لیے ایک مثال ہیں۔

ختم نبوت پر آپ نے بہت کام کیا قادیانیت کے فتنہ کی سرکوبی کے لیے اپنے قلم کو شمشیر کی طرح استعمال کیا۔ اس وقت آپ کی تین کتب زیر طباعت ہیں۔ آپ کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا، بہت سے مریدین، معتقدین اور شاگردوں کو سوگوار چھوڑ کر بھرپور زندگی گزارنے کے بعد آپ 19 دسمبر 2021ء بروز اتوار پیر کی شب بمطابق 14 جمادی الثانی 1443ھ کو اپنے ربّ کے حضور پیش ہو گئے۔